جلد ۷۹ | ستمبر' اکتوبر ۱۹۹۵ء | شمارہ - ۵

اس شمارے میں

ناشر: احمدیہ انجمن اشاعت اسلام (لاہور) یو ایس اے

پتہ: ۱۳۱۵ کنگز گیٹ روڈ' کولمبس' اوہائیو ۱۵۰۴-۴۳۲۲۱ (یو ایس اے)

ارشادات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ

اسلام میں فتنہ سے بچیئے

محبی عزیزی اخویم۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ عنایت نامہ پہنچا۔ عدل یہ ہے کہ اگرچہ عرصہ بیس سال سے متواتر اس عاجز کو الہام ہوا ہے۔ اکثر دفعہ ان میں رسول یا نبی کا لفظ آگیا ہے جیسا کہ یہ الہام ہوا هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ اور جیسا کہ یہ الہام ہوا۔ جَرِیُ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِیَاۗءِ اور جیسا کہ یہ الہام ہوا " دنیا میں ایک نبی آیا مگر دنیا نے اس کو قبول نہ کیا۔" * ایسے ہی بہت سے الہام ہیں جن میں اس عاجز کی نسبت نبی یا رسول کا لفظ آیا ہے۔ لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوت اور رسالت سے مراد حقیقی نبوت اور رسالت ہے جس سے انسان خود صاحب شریعت کہلاتا ہے۔ بلکہ رسول کے لفظ سے اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے بھیجا گیا۔ اور نبی کے لفظ سے صرف اسی قدر مراد ہے کہ خدا تعالیٰ سے علم پا کر پیشگوئی کرنے والا یا معارف پوشیدہ بتانے والا۔ سو چونکہ ایسے لفظوں سے جو محض استعارہ کے رنگ میں ہیں، اسلام میں فتنہ پڑتا ہے اور اس کا نتیجہ سخت بد نکلتا ہے اس لئے اپنی جماعت کی معمولی بول چال اور دن رات کے محاورات میں یہ لفظ نہیں آنے چاہئیں۔ اور دلی ایمان سے سمجھنا چاہیئے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ اس آیت کا انکار کرنا یا استخفاف کی نظر سے دیکھنا درحقیقت اسلام سے علیحدہ ہونا ہے۔ جو شخص انکار میں حد سے گذرتا ہے جس طرح کہ وہ ایک خطرناک حالت میں ہے اسی طرح وہ جو شیعوں کی طرح اعتقاد میں حد سے گذر جاتا ہے۔ جاننا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی تمام نبوتوں اور رسالتوں کو قرآن شریف اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا ہے۔ اور ہم محض دین اسلام کے خادم بن کر دنیا میں آتے ہیں اور دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ نہ اس لئے کہ اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین بنا دیں۔ ہمیشہ شیطان کی رہزنی سے اپنے تئیں بچانا چاہیئے اور اسلام سے محبت سچی رکھنی چاہیئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بھلانا نہیں چاہیئے۔ ہم خادم دین اسلام ہیں اور یہی ہمارے ظہور کی علت غائی ہے اور نبی اور رسول کے لفظ استعارہ اور مجاز کے رنگ میں ہیں۔ رسالت لغت عرب میں بھیجے جانے کو کہتے ہیں۔ اور نبوت یہ ہے کہ خدا سے علم پا کر پوشیدہ حقائق اور معارف کو بیان کرنا۔ سو اسی حد تک مفہوم کو ذہن میں رکھ کر دل میں اس کے معنے کے موافق اعتقاد کرنا مذموم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اسلام کی اصطلاح میں نبی اور رسول کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ وہ کامل شریعت لاتے ہیں یا بعض احکام شریعت سابقہ کو منسوخ کرتے ہیں یا نبی سابق کی امت نہیں کہلاتے اور براہ راست بغیر استفادہ کسی نبی کے خدا تعالیٰ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اس جگہ بھی یہی معنے نہ سمجھ لیں کیونکہ ہماری کتاب بجز قرآن کریم کے نہیں ہے اور کوئی دین بجز اسلام کے نہیں ہے۔ اور ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء اور قرآن شریف خاتم الکتب ہے۔ سو دین کو بچوں کا کھیل نہیں بنانا چاہیئے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیں بجز خادم اسلام ہونے کے اور کوئی دعویٰ بالمقابل نہیں اور جو شخص ہماری طرف اس کے خلاف منسوب کرے وہ ہم پر افترا کرتا ہے۔ ہم اپنے نبی کریمؐ کے ذریعہ فیض و برکات پاتے ہیں اور قرآن کے ذریعہ سے ہمیں فیض معارف ملتا ہے۔ سو مناسب ہے کہ کوئی شخص اس ہدایت کے برخلاف کچھ بھی دل میں نہ رکھے

ورنہ وہی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس کا جواب دہ ہو گا۔ اگر ہم اسلام کے خادم نہیں ہیں تو ہمارا سب کاروبار عبث اور مردود اور قابل مواخذہ ہے زیادہ خیریت والسلام۔ مورخہ اگست ۱۸۹۹ء۔

نوٹ :- * ایک قرات اس الہام میں یہ بھی ہے کہ دنیا میں ایک نذیر آیا اور یہی قرات براہین میں درج ہے اور فتنہ سے بچنے کے لئے یہ دوسری قرات درج نہیں کی گئی۔

نقد و نظر

قرآن مجید کی شان اور حفاظت

از قلم پروفیسر نورالدین زاہد، سرینگر

اللہ تبارک و تعالیٰ رب العالمین ہے۔ وہ صرف کسی ایک خاص قوم کا رب نہیں وہ سب قوموں کا رب ہے۔ وہ رب المشارق و المغارب ہے [۷۰ / ۴۰] ۔ اس نے ہر قوم کے پاس پیغمبر بھیجے۔ ہر قوم کو وحی متلو والی آسمانی کتاب دی۔ اس طرح دنیا میں آج تک بے شمار پیغمبر آئے اور بے شمار الہامی کتابیں نازل ہوتیں۔ پیغمبروں کا یہ عظیم الشان اور طویل سلسلہ حضرت آدم سے شروع ہوا اور حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ پر ختم ہوا۔ مسلمان ان سب پیغمبروں پر ایمان لاتا ہے۔ اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر بھی ایمان لاتا ہے ان دونوں پر ایمان لائے بغیر آدمی مومن و مسلم نہیں ہو سکتا۔ مسلمان تسلیم کرتا ہے کہ جس طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے اسی طرح گزشتہ پیغمبروں پر نازل شدہ کتب بھی اللہ تعالیٰ کی ہی وحی تھیں اور بذریعہ فرشتہ وحی جبریل امین نازل ہوئی تھیں۔ لیکن قرآن مجید اور باقی کتب میں ایک بڑا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لی ہے۔ یہ ہماری معتقدانہ خوش اعتقادی نہیں ہے بلکہ حقیقت ثابتہ ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-
اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ [الحجر ۱۵ آیت ۹]
ترجمہ۔ "ہم نے خود یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ یہاں قرآن مجید کے لئے اس کا ایک صفاتی نام الذکر استعمال ہوا ہے۔ اور اس آیت سے پہلے آیت ۶ میں الذکر کا لفظ قرآن مجید کے لئے استعمال کر کے ثابت کیا ہے کہ یہاں بھی اس سے قرآن پاک ہی مراد ہے۔

مخالفین لاکھ جتن کریں وہ قرآن مجید میں کسی قسم کی دراندازی نہیں کر سکتے ہیں۔ قرآن پاک کے الفاظ اور معانی ان کی دسترس سے محفوظ اور مصؤن ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:- اِنَّ الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا جو لوگ ہماری آیتوں میں الحاد سے کام لیتے ہیں لَا یَخْفَوْنَ عَلَیْنَا وہ ہم پر مخفی نہیں ہیں اَفَمَنْ یُّلْقٰی فِی النَّارِ خَیْرٌ اَمْ مَّنْ یَّاْتِیْٓ اٰمِنًا یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ کیا وہ اچھا آدمی ہے جو (ہماری آیات میں الحاد سے کام لینے کی وجہ سے) آگ میں ڈالا جائے گا یا وہ جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے۔ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (ہماری ان آیات یعنی قرآن مجید کے مخالفوں) جو چاہو سو کرو اِنَّہٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (حم السجدہ ۴۱ آیت ۴۰) بے شک (قرآن پاک کا نازل کرنے والا اور محافظ خدا) دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو،،

آیت پاک میں لفظ یُلْحِدُوْنَ ہے۔ یہ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ اور اِلْحَادٌ سے نکلا ہے۔ اتحاد کا لفظ باب افعال سے مصدر ہے۔ اتحاد کے معنی ہیں کسی کی طرف جھکنا، اور اِلْحَادٌ فی

کے معنی ہیں کسی چیز کے متعلق کجروی اختیار کرنا۔ صحیح راستہ چھوڑنا۔ اِلْحَادٌ فِی الْآیات کے معنی علامہ زمخشری (۱۰۷۵ - ۱۱۴۴ء) نے یہ بتائے ہیں "آیات قرآن میں الحاد کرنے سے مراد تاویل قرآن میں صحت اور استقامت کی راہ سے ہٹنا ہے"۔ (تفسیر کشاف زیر آیہ)۔ دراصل یہ تفسیر مشہور صحابی مفسر حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (۶۱۹ - ۶۸۷ء) اور ان کے مشہور تابعی شاگرد اور امام تفسیر مجاہد بن جبیرؒ (۶۴۲ - ۷۲۲ء) نے بیان کی ہے۔ اور امام جلال الدین سیوطی (۱۴۴۵ - ۱۵۰۵ء) نے اپنی مشہور تفسیر الدر المنثور میں نقل کی ہے۔ لکھا ہے "ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیات قرآنی میں الحاد کے معنی ہیں کلام کو بے جگہ استعمال کرنا اور یہی مجاہد نے بھی بیان کئے ہیں۔

علامہ مفتی شہاب الدین محمود آلوسی بغدادی (۱۸۰۲ - ۱۸۵۳ء) تفسیر روح المعانی میں اس کی تشریح یوں کرتے ہیں۔ "قرآن مجید کی تشریح کرتے ہوئے صحت اور استقامت کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور آیات قرآن کے باطل معنی بتاتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول سے یہی مراد ہے۔ (زیر آیہ) پس جو لوگ آیات قرآن کی تشریح کرتے وقت صحت اور استقامت کی راہ سے ہٹ جاتے ہیں اور آیات کے غلط معنی بتاتے ہیں وہ دراصل اِلْحَاد فی الْآیات کے مرتکب ہیں۔

"صحت اور استقامت" سے مراد عربی لغت اور اصول دین و شریعت ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں دین اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر ہے اور لکھا ہے وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ یعنی مومن آخرت کا یقین رکھتے ہیں۔ لغت اور اصول دین سے ثابت ہے کہ آخرت سے مراد آخری زندگی ہے جو دنیاوی زندگی کے مقابل ہے۔ مگر ایک جماعت کے سربراہ نے اس کے معنی حضور نبی کریمؐ کے بعد نازل ہونے والی وحی بتا کر الحاد فی القرآن یا معنوی تحریف کا ارتکاب کیا۔ اس شنیع فعل کا مقصد ختم نبوت کا انکار اور اپنے والد کی نبوت کا اثبات تھا۔ ان کے صاحبزادے، جو جماعت کے موجودہ سربراہ ہیں، نے اس آیت میں اسی لفظ آخرت کے معنی وہ آخری فتح بتائے ہیں جو انہیں حاصل ہونے والی ہے۔ یہ الحاد فی الآیات کی تازہ مثال ہے۔

قرآن کی شان کے متعلق دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○ (حم السجدہ ۴۱ آیت ۴۲) یعنی باطل نہ اس (قرآن) پر اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ کیونکہ یہ اس خدا کی طرف سے نازل ہوئی مقدس کتاب ہے جو حکیم اور حمید ہے۔ علامہ زمخشری اس آیت کے تحت لکھتا ہے:- "باطل کا آگے سے اور پیچھے سے آنا ایک تمثیل ہے۔ گویا مراد یہ ہے کہ باطل قرآن تک پہنچ نہیں سکتا وہ کسی بھی جہت اور کسی بھی صورت قرآن میں راہ نہیں پا سکتا اور اس میں رخنہ اندازی نہیں کر سکتا۔" پھر علامہ ایک اعتراض نقل کر کے اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ "اگر تو اعتراض کرتا ہے کہ کیا طعنہ دینے والوں نے قرآن مجید کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہیں بنایا اور باطل پرستوں نے اس کی آیات کی غلط تاویل نہیں کی؟ اس اعتراض کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ ہاں یہ درست ہے کہ طعن و تشنیع کرنے والوں نے قرآن پر طعن و تشنیع کیا۔ باطل پرستوں نے غلط تاویلات کیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اہل باطل کے شر سے محفوظ رکھنے کا یہ انتظام کیا کہ ایک قوم کو پیدا کیا جو غلط تاویلات اور غلط اقوال کا ابطال و افساد کر کے ان مخالفین کا مقابلہ کرتے ہیں۔" (کشاف زیر آیہ)

قرآن مجید کے یہ محافظ ہر دور میں پیدا ہوتے۔ دور حاضر میں حضرت مولانا محمد علی صاحب لاہوریؒ (۱۸۷۴ - ۱۹۵۱ء) ایسے ہی ایک محافظ قرآن تھے۔ آپ نے اپنی عمر عزیز کے پچاس سال قرآن حکیم کی خدمت میں گذارے۔ آپ کی اردو تفسیر "بیان القرآن" کے متعلق مرحوم قاری محمد طیب صاحب (۱۸۹۴ -

۱۹۸۰ء) سابق مہتمم دار العلوم دیو بند۔ یو پی انڈیا نے اعتراف کیا کہ اگر اس میں احمدیت کا ذکر نہ ہوتا تو یہ اردو زبان کی بہترین تفسیر ہوتی۔ (رسالہ "مودودی صاحب کی تفسیری غلطیاں" کا دیباچہ)۔ یہ رسالہ مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمی، دیو بندی، دہلوی نے تالیف کیا ہے۔ اور مودودی صاحب کی تفسیر آیت "مولفتہ القلوب" پر اعتراض کرتے ہوئے صاف لکھا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین سے جو غلطی عموماً ہوا کرتی ہے اس سے مولانا محمد علی لاہوری صاحب "بیان القرآن" صاف بچ نکلے ہیں"۔ حضرت مولانا محمد علیؒ نے قرآن مجید کی شمع ہدایت سے تفسیری خرافات و روایات کا فانوس ہٹا دیا ہے اور معترضین کے مدلل جوابات دیتے ہیں۔ ان کی تفسیر سے دل و دماغ منور و مطمئن ہو جاتے ہیں۔ مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندوی صاحب نے آپ کی تفسیر کے بعض مقامات کو محل اعتراض بنایا ہے۔ ان کا ارشاد ہے کہ حضرت مولانا کی تفسیر صحیح تفسیر سے مختلف ہے لیکن مولانا ندوی اپنے اس اعتراض کی تائید میں کوئی مرفوع تفسیر پیش نہ کر سکے۔ کسی بھی جگہ وہ یہ نہ دکھا سکے کہ حضور نبی کریمؐ نے متعلقہ آیت کے کیا معنی بتاتے ہیں۔ خدا کی قدرت۔ آج برصغیر میں کئی علماء نے ایسی تصنیفات پیش کی ہیں جن میں حضرت مولانا محمد علیؒ کی ہی تائید ہوتی ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی دینی خدمات

(۴)

۱۵۔ وحی الٰہی کی ضرورت اور نبوت و رسالت کی حقیقت:- کون سے اعمال اچھے ہیں اور کون سے برے ان کا فیصلہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ چند ایک موٹی موٹی باتوں کو چھوڑ کر کوئی بات لے لو انسانوں کی عقلیں ان پر متفق نہیں ہیں۔ اور جن چند باتوں پر متفق ہیں کیا معلوم ان کا علم بھی پہلے پہل انبیاء کرام نے بذریعہ وحی ہی دیا ہو کیوں کہ جب سے انسان میں عقل و تمیز پیدا ہوتی اور وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرا اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے اس پر ہدایت بھیجی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا۔ پس انسان کو سیدھا راستہ دکھانے کے لئے اور غلط راہ سے بچانے کے لئے انبیاء کرام اور ان پر وحی الٰہی کا نزول ضروری ہوا۔ بد قسمتی سے بعض مسلمان علماء نے یہ سمجھ لیا ہے کہ نبی اور رسول وہ ہے جو معجزہ دکھاتے حالانکہ معجزات نبی کی تائید کے لئے ہوتے ہیں زیادہ سے زیادہ انہیں نبوت کا ایک جز قرار دیا جا سکتا ہے۔ حقیقی نبوت تو وہ ہدایت ہے جو مومنوں کی فلاح کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی نبی پر نازل ہوتی ہے۔

۱۶۔ اسلام کے کامل مذہب ہونے پر زبردست دلیل:- حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ مذہب انسان کی تربیت کے لئے ہوتا ہے اس لئے کامل مذہب وہی ہو سکتا ہے جس میں کل انسانی جذبات کی تربیت اور انہیں اعتدال پر رکھنے کی تعلیم ہو۔ انسان کے سب حیوانی جذبات اس کی ترقیات کے لئے ضروری ہیں۔ سچے مذہب کا یہ کام نہیں کہ انہیں ذبح کرے بلکہ انہیں حالت اعتدال پر لا کر مفید بنانے کی تعلیم دے اور اس کا راستہ دکھاتے۔ بعض قومی مذاہب نے اخلاق کے صرف ایک پہلو پر زور دیا ہے مثلاً فرعون کی غلامی سے بنی اسرائیل میں حد درجہ کی بزدلی پیدا ہو گئی تو ان کی اصلاح کے لئے توریت میں جلالی یعنی تشدد کی تعلیم دی گئی تا کہ قوم میں مردانگی پیدا ہو اور بعد میں جب یہود میں یہ تشدد حد سے بڑھ گیا تو حضرت عیسیٰؑ کے ذریعے نرمی کی تعلیم دی گئی۔ اسی طرح

ویدک تعلیم میں چوں کہ غیر اقوام پر تشدد اور سختی کی تعلیم تھی اس لئے اس کی اصلاح کے لئے مہاتما بدھ نے نرمی اور خاکساری کی تعلیم دی۔ یہ قومی مذاہب کی بات تھی لیکن اسلام نے قرآن کے ذریعے ایسی تعلیم دی جو تمام جذبات کی تربیت اور تعدیل کرتی ہے۔ اس لئے اسلام کو دنیا کا آخری، کامل اور عالمگیر مذہب ماننا پڑتا ہے۔

اس موقع پر حضرت ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے صرف اسی ایک دلیل پر اکتفا کیا ہے۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے ایک اور جگہ یہ بھی فرمایا ہے کہ تمام مذاہب میں سے بہترین کا انتخاب کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ان کی سب الہامی کتابوں کو اول سے آخر تک پڑھ کر فیصلہ کیا جائے۔ صرف اتنی بات پر ہی فیصلہ ہو جاتا ہے کہ کون سا مذہب اس کائنات کے خالق کی ذات اور صفات کے متعلق بہترین علم دیتا ہے۔ اس پہلو سے بھی دیکھا جائے تو کوئی اور مذہب اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ نمونہ کے لئے قرآن مجید کی چند ایک آیات پیش کی جاتی ہیں۔ سنئے :-

سورہ فاتحہ آیات ۱ تا ۳ : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (ترجمہ) سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو (تمام) جہانوں کا رب ہے۔ بے بدل رحم کرنے والا۔ بار بار رحم کرنے والا۔ جزا کے وقت کا مالک۔ اور سنئے سورہ ۲ بقرہ آیت ۲۵۵ :- اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ○ (ترجمہ) اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ زندہ، خود قائم، قائم رکھنے والا ہے کیا پر نہ اونگھ غالب آتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ کون ہے جو اس کے پاس سوائے اس کی اجازت کے سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ چاہے۔ اس کا علم آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے اور ان دونوں کی حفاظت اس پر بوجھ نہیں اور وہ بہت بلند عظمت والا ہے۔ سورہ ۶ انعام کی آیات ۱۰۱ تا ۱۰۳ بھی سنئے :- بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَّخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○ (ترجمہ) آسمانوں اور زمین کا عجیب پیدا کرنے والا۔ اس کا بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے اور کوئی اس کی جورو نہیں۔ اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ یہ اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا۔ سو اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔ نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ کرتا ہے اور وہ باریک باتوں کا جاننے والا ہے۔

اب سنئے سورہ ۱۷ بنی اسرائیل آیات ۱۱۰، ۱۱۱ :- قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ○ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ○ (ترجمہ) کہ اللہ کو پکارو یا رحمن کو پکارو جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔ اور پکار پکار کر دعا نہ کر اور نہ چپکا ہی رہ اور اس کے بیچ ایک طریق اختیار کر۔ اور کہ سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے بیٹا نہیں بنایا اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ اس کا کوئی مددگار ہو اور اس کی بڑائی بیان کر جو حق بڑائی بیان کرنے کا ہے۔

سورہ مومن ۴۰ کی آیت ۳ بھی سنئے :- غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ

التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ذِی الطَّوۡلِ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ○ (ترجمہ) گناہ بخشنے والا (بغیر توبہ کے) اور توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا، بڑے فضل والا، اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف انجام کار جانا ہے۔

اب سنئے سورہ ۵۷ حدید کی آیات ۲، ۳:- لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○ ھُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالۡبَاطِنُ وَھُوَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ○ (ترجمہ) اسی کی ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت۔ وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ (سب سے) پہلے اور (سب سے) پیچھے اور (سب سے) ظاہر اور سب سے) مخفی ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

سورہ ۵۰ ق کی دو آیات ۱۶ اور ۳۸ بھی سنئے:- وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِہٖ نَفۡسُہٗ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡہِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ ○ اور وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَھُمَا فِیۡ سِتَّۃِ اَیَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنۡ لُّغُوۡبٍ ○ (ترجمہ) اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسہ ڈالتا ہے اور ہم اس سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ وقتوں میں پیدا کیا۔ اور تکان نے ہمیں نہیں چھوا۔

اب سنئے سورہ ۵۹ حشر آیات ۲۲ تا ۲۴:- ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الۡغَیۡبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِیۡمُ ○ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلۡمَلِکُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُھَیۡمِنُ الۡعَزِیۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَکَبِّرُ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ○ ھُوَ اللّٰہُ الۡخَالِقُ الۡبَارِئُ الۡمُصَوِّرُ لَہُ الۡاَسۡمَآءُ الۡحُسۡنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ○ (ترجمہ) وہی اللہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا۔ وہ بے انتہا رحم والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔ وہی اللہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ، پاک سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، غالب، بگڑے کو بنانے والا، سب بڑائیوں کا مالک، اللہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔ وہی اللہ ہے (مادہ کا) پیدا کرنے والا، روح کا پیدا کرنے والا، مختلف شکلیں بنانے والا۔ اس کے لئے سب اچھے نام ہیں۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی تسبیح کرتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

اب سنئے سورہ ۶۷ ملک کی آیات ۱ تا ۴:- تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ ○ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَالۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا وَھُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ھَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّھُوَ حَسِیۡرٌ ○ (ترجمہ) وہ (ذات) بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ غالب بخشنے والا ہے جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا۔ تو رحمان کی پیدائش میں کوئی اختلاف نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو لوٹا کیا تو کوئی بگاڑ دیکھتا ہے۔ پھر نظر کو بار بار لوٹا۔ نظر تیری طرف حیرت سے تھک کر واپس آئے گی۔

اور آخر میں سنئے سورہ اخلاص کی چاروں آیتیں:- قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ○ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ○ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ ○ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ○ (ترجمہ) کہ اللہ (تعالیٰ) ایک ہے۔ اللہ (تعالیٰ) بے نیاز ہے۔ نہ اس کا کوئی بیٹا ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

قرآن شریف ایسی آیتوں سے بھرا پڑا ہے۔ ان آیتوں کو پھر غور سے پڑھئے۔ دیکھئے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نام اللہ بتا دیا ہے۔ یہ اسم ذات ہے اور کسی زبان کسی مذہبی

کتاب نے اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ہمیں نہیں بتایا۔ یہ بھی بتایا کہ وہ ایک ہے کوئی اس کے ساتھ شریک نہیں۔ فرمایا کہ وہ سبحٰن یعنی پاک بے عیب ہے یعنی کوئی بری گھٹیا صفت اس کی طرف منسوب ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ بھی بتا دیا کہ لہ الاسماء الحسنی کہ اس کے سب اچھے نام ہیں۔ یعنی جو اچھی صفت ہو وہ اس کی ہے۔ پھر چند ایک صفات کا خاص طور پر ذکر کر دیا کہ وہ رب العالمین ہے یعنی تمام جہانوں کی ربوبیت کرنے والا ہے۔ بلا بدل رحم کرنے والا ہے۔ کوئی اچھے کام کرے تو اس پر انعام و اکرام کا رحم کرتا ہے۔ توبہ قبول کرتا ہے۔ بغیر توبہ کے بھی معاف کر دیتا ہے۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے۔ ہر باریکی کو جاننے والا ہے۔ اس کا علم آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے۔ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے وہ تھکا نہیں۔ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے۔ وہ اول ہے یعنی جب کچھ نہ تھا تو وہ تھا اور وہ آخر ہے یعنی جب کچھ نہیں ہو گا تو وہ ہو گا۔ اس کی بنائی ہوئی کائنات میں کوئی بگاڑ نہیں (اس نکتے کو آج کل کے سائنسدان خوب سمجھ سکتے ہیں کہ انہیں کائنات میں ہر جگہ ایک ہی قانون کام کرتا نظر آتا ہے) کوئی اس کا احاطہ نہیں کر سکتا اور اس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ وہ عاجز نہیں ہے کہ اسے مدد گار کی ضرورت ہو۔ اس کا کوئی بیٹا نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی ہی نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ غور فرمائیے اور کون سا مذہب یا کون سی الہامی کتاب اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے متعلق ایسی پاکیزہ تعلیم دیتی ہے؟ دوسرے مذاہب نے تو ایسی ایسی نازیبا باتیں اپنے خدا کی طرف منسوب کی ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ خدا ایسا ہو سکتا ہے؟

۱۷۔ وحی الٰہی کی کیفیت :- حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں حکمائے اسلام مادی فلسفے کے سامنے ہتھیار ڈال چکے تھے اور وحی کو جسمانی استعداد اور تخیل کے رنگ میں پیش کرنے لگے۔ گویا شاعری کے ملکہ کی طرح وحی یا الہام بھی ایک جسمانی قوت ہے جس کے ذریعے ایک خیال دل سے اٹھتا ہے اور دل پر ہی پڑتا ہے اور صاحب وحی ایک شاعر کی طرح اسے اپنے الفاظ میں ادا کر کے لوگوں کو سنا دیتا ہے۔ یہ لوگ اس معاملے میں صاحب حال نہ تھے اور انہیں چاہیئے تھا کہ وحی کی کیفیت ایسے بزرگوں سے دریافت کرتے جو اس میں صاحب تجربہ تھے لیکن ایسے بزرگ بھی کمیاب تھے۔ چنانچہ حکماء اسلام نے مادی فلسفے کے مطابق تاویل کرنا ہی مناسب سمجھا۔ پس حضرت مرزا صاحب کا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ انہوں نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ کچھ شک نہیں کہ انبیاء اور محدثین میں بغیر دماغی مدد اور تعلیم و تعلم کے اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم حاصل کرنے کی استعداد ہوتی ہے۔ یہ استعداد نوع انسان میں سب میں ہے کسی میں فطرتاً کم کسی میں زیادہ۔ اکثر مادی الجھنوں میں پڑ کر یہ استعداد ضائع ہو جاتی ہے۔ انبیاء اور محدثین میں یہ استعداد بڑی نمایاں ہوتی ہے اور عبادت و ریاضت اور اعمال صالحہ کے ذریعے اس قدر ترقی کر جاتی ہے کہ براہ راست خدا کی طرف سے علم حاصل ہونے لگتا ہے۔ یہ تمام علم خارج سے اسی طرح آتا ہے جس طرح دنیا کے ظاہری علوم حواس کے ذریعہ قلب میں باہر سے داخل ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ظاہری علوم کو قلب تک پہنچنے کے لئے ظاہری حواس مثلاً کان آنکھ وغیرہ سے آنے کی ضرورت ہوتی ہے مگر روحانی علوم براہ راست قلب میں داخل ہو جاتے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب نے بار بار تحریر فرمایا کہ ان معاملات میں میں صاحب تجربہ ہوں اور جو کچھ قرآن و حدیث میں وحی کے نزول کی کیفیت لکھی ہے کہ خدا کا کلام خارج سے بذریعہ ملائکہ نازل ہوتا ہے وہی لفظاً لفظاً صحیح ہے۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے بطور نمونہ سورہ ۷۵ قیامہ کی آیات ۱۶ تا ۱۹ پیش کی ہیں۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ○ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○ (ترجمہ) اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلانا تاکہ اسے جلدی

لے لے۔ ہمارے ذمے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہے۔ پس جب ہم اس کو پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔ پھر ہمارے ذمے اس کا کھول کر بتانا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو کلام نازل ہوتا تھا وہ خارج سے نازل ہوتا تھا اور الفاظ میں نازل ہوتا تھا جسے پڑھا جاتا تھا۔ پھر یہ فرما کر کہ "ہمارے ذمے اس کا کھول کر بیان کرنا ہے" یہ بھی بتا دیا کہ وہ الفاظ تھے جن کے معنی اور مفہوم کے سمجھانے کی بھی ضرورت تھی۔ اگر وحی پیغمبرؐ کے اپنے دل کی بات ہوتی تو معنی پہلے ہوتے جن کے لئے بعد میں الفاظ کی تلاش ہوتی۔ معلوم ہوا وحی خارج سے آتی ہے دل سے نہیں اٹھتی۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کبھی خود صاحب وحی کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفہیم نہ ہونے کی صورت میں معنی سمجھنے میں غلطی لگ جاتی ہے۔ الفاظ تو بعد میں سچے ثابت ہوتے ہیں مگر جو مفہوم صاحب وحی نے اپنے اجتہاد سے (نہ اللہ تعالیٰ کی تفہیم سے) سمجھا تھا وہ غلط نکل جاتا ہے۔

۱۸۔ استجابت دعا کے متعلق عقیدہ:- اس مسئلہ پر حضرت مرزا صاحب نے جو کچھ اپنی کتاب "برکات الدعا" میں فرمایا ہے اور قبولیت دعا کے ثبوت میں لیکھرام والی پیشگوئی شائع فرمائی اس کا مفصل ذکر علیحدہ ہو چکا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کی معرفت دعا کے متعلق اس قدر بلند تھی کہ آپ کی نظر میں دنیا میں ہر ایک شخص جو فکر اور تدبیر کے ذریعہ اسباب سے کام لیتا ہے اور کسی نتیجہ پر پہنچنا چاہتا ہے وہ بھی دعا کی ہی چھپی ہوئی شکل ہے۔ آپ کی کتاب "ایام الصلح" کے صفحات ۲ اور ۳ سے ذیل کا حوالہ سنئے:-

"غرض جبکہ ہماری روح ایک چیز کے طلب کرنے میں بڑی سر گرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبدا فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پا کر فکر کے ذریعہ سے کسی اور جگہ سے روشنی ڈھونڈتی ہے تو در حقیقت ہماری وہ حالت بھی دعا کی ہی ایک حالت ہوتی ہے۔ اسی دعا کے ذریعے سے دنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوتی ہیں اور ہر ایک بیت العلم کی کنجی دعا ہی ہے۔ اور کوئی علم اور معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اس کے ظہور میں آیا ہو۔ ہمارا سوچنا ہمارا فکر کرنا اور ہمارا طلب امر خفی کے لئے خیال دوڑانا یہ سب امور دعا ہی میں داخل ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ عارفوں کی دعا آداب معرفت کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے اور ان کی روح مبدا فیض کو شناخت کر کے بصیرت کے ساتھ اس کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے۔ اور محجوبوں کی دعا صرف ایک سر گردانی ہے جو فکر اور غور اور طلب اسباب کے رنگ میں ظاہری ہوتی ہے۔ وہ لوگ جن کو خدا تعالیٰ سے ربط معرفت نہیں اور نہ اس پر یقین ہے وہ بھی فکر اور غور کے وسیلہ سے یہی چاہتے ہیں کہ غیب سے کوئی کامیابی کی بات ان کے دل میں پڑ جائے۔ اور ایک عارف دعا کرنے والا بھی اپنے خدا سے یہی چاہتا ہے کہ کامیابی کی راہ اس پر کھلے۔ لیکن محجوب جو خدا تعالیٰ سے ربط نہیں رکھتا وہ مبدا فیض کو نہیں جانتا اور عارف کی طرح اس کی طبیعت بھی سر گردانی کے وقت ایک اور جگہ سے مدد چاہتی ہے اور اسی مدد پانے کے لئے وہ فکر کرتا ہے۔ مگر عارف اس مبدا۔ کو دیکھتا ہے اور یہ تاریکی میں چلتا ہے اور نہیں جانتا کہ جو کچھ فکر اور خوض کے بعد بھی دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ متفکر کے فکر کو بطور دعا قرار دے کر بطور قبول دعا اس علم کو فکر کرنے والے کے دل میں ڈالتا ہے۔ غرض جو حکمت اور معرفت کا نکتہ فکر کے ذریعے سے دل میں پڑتا ہے وہ بھی خدا سے ہی آتا ہے۔ اور فکر کرنے والا اگرچہ نہ سمجھے مگر خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے ہی مانگ رہا ہے۔ سو آخر وہ خدا سے اس مطلب کو پاتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے یہ طریق طلب روشنی اگر علی وجہ البصیرت اور ہادی حقیقی کی شناخت کے ساتھ ہو تو یہ عارفانہ دعا ہے اور اگر صرف فکر اور خوض کے ذریعے سے یہ روشنی لا معلوم مبدا سے طلب کی جاتے اور منور حقیقی کی ذات پر نظر نہ ہو تو وہ محجوبانہ دعا ہے۔" ذرا آگے

چل کر پھر حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں "انسان کی شریعت باطنی نے بھی قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتویٰ دیا ہے کہ وہ دعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں بلکہ دعا کے ذریعے سے تدابیر کو تلاش کریں۔" اس کے بعد ص ۱۳ پر استجابت دعا پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں ---"حکیم مطلق ہماری دعاؤں کے بعد دو طور سے نصرت اور امداد کو نازل کرتا ہے (۱) ایک یہ کہ اس بلا کو دور کر دیتا ہے جس کے نیچے ہم دب کر مرنے کو تیار ہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ بلا کی برداشت کے لئے ہمیں فوق العادت قوت عنایت کرتا ہے بلکہ اس میں لذت بخشتا ہے اور انشراح صدر عنایت فرماتا ہے۔ پس ان دونوں طریقوں سے ثابت ہے کہ دعا سے ضرور نصرت الٰہی نازل ہوتی ہے۔" یہاں جو لذت اور انشراح صدر کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان کے حوالے سے راقم الحروف حضرت مرزا صاحب کی مندرجہ ذیل تحریر "کتاب البریہ" کے ٹائٹل کے صفحے سے درج کرنا مناسب سمجھتا ہے۔ سنئے:-

"الہام ہوا:-

صادق آں باشد کہ ایام بلا
می گذارد بامحبت باصفا

اس کے بعد معاً روح اور دل سے نکلا:-

گر قضارا عاشقے گردد اسیر
بوسد آں زنجیر را کز آشنا

(ترجمہ) الہام ہوا کہ "صادق وہ ہوتا ہے جو مصیبت کے دن محبت اور صفا سے گذار دیتا ہے" ۔اس کے بعد معاً روح اور دل سے نکلا کہ اگر قسمت سے عاشق قید ہو جائے تو زنجیر کو بوسہ دیتا ہے کہ یہ دوست کی طرف سے آئی ہے۔

"ایام الصلح" کے صفحہ ۱۴ پر حضرت مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ "دعا جو خدا تعالیٰ کی پاک کلام نے مسلمانوں پر فرض کی ہے اس کی فرضیت کے چار سبب ہیں۔ (۱) ایک یہ کہ تا ہر ایک وقت اور ہر ایک حالت میں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع ہو کر توحید پر پختگی حاصل ہو۔ کیونکہ خدا سے مانگنا اس بات کا اقرار کرنا ہے کہ مرادوں کا دینے والا صرف خدا ہے۔ (۲) دوسرے یہ کہ تا دعا کے قبول ہونے اور مراد کے ملنے پر ایمان قوی ہو۔ (۳) تیسرے یہ کہ اگر کسی اور رنگ میں عنایت الٰہی شامل حال ہو تو علم اور حکمت زیادت پکڑے۔ (۴) چوتھے یہ کہ اگر دعا کی قبولیت کا الہام اور رویا کے ساتھ وعدہ دیا جائے اور اسی طرح ظہور میں آئے تو معرفت الٰہی ترقی کرے اور معرفت سے یقین اور یقین سے محبت اور محبت سے ہر ایک گناہ اور غیر اللہ سے انقطاع حاصل ہو جو حقیقی نجات کا ثمرہ ہے۔"

حضرت مرزا صاحب اپنے مریدوں کو نمازیں خشوع و خضوع کے ساتھ سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر توجہ سے پڑھنے کی بہت تاکید فرماتے تھے اور ان میں کثرت سے دعائیں کرنے پر بہت زور دیتے تھے بالخصوص نماز تہجد میں۔ صوفیا کے تمام اوراد اور وظیفے جو قرآن و سنت سے ماخوذ نہیں آپ کو ناپسند تھے۔ آپ کا ارشاد تھا کہ نمازیں وہ دعائیں جو امت کے تعامل میں ہیں ضرور پڑھنی چاہئیں لیکن ان کے علاوہ بھی اپنی مرادیں اگر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنی ہوں اور عربی زبان نہ آتی ہو تو اپنی مادری زبان میں عرض کی جا سکتی ہیں۔ لیکن نماز عربی زبان میں ہی پڑھنی چاہیئے کسی اور زبان میں نماز پڑھنا آپ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ عربی زبان میں نماز یاد کر لینا اور اس کے معنی سمجھ لینا کوئی ایسا مشکل کام نہیں۔ مسلمانوں کی عالمگیر وحدت کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔

۱۹۔ مکالمات الٰہیہ اور امت محمدیہ۔ قرآن مجید میں سورہ قصص ۲۸ کی آیت ۷ میں لکھا ہے وَ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّ مُوْسٰٓی (ترجمہ) اور موسیٰؑ کی ماں کو ہم نے وحی کی۔ اسی طرح سورہ ۳ آل عمران کی آیت ۴۵ میں آتا ہے اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ (ترجمہ) جب فرشتوں نے کہا اے مریم۔ یعنی بنی اسرائیل کی دو خواتین پر جو

نبی نہیں تھیں اللہ تعالیٰ کی وحی اتری تھی۔ نبی کریم صلعم کی حدیث بخاری کی کتاب فضائل اصحاب النبی باب مناقب عمرؓ میں مذکور ہے لَقَدْ کَانَ فِیمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ مِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیلَ رِجَالٌ یُکَلَّمُوْنَ مِنْ غَیْرِ اَنْ یَکُوْنُوْا اَنْبِیَآءَ فَاِنْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِیْ مِنْهُمْ اَحَدٌ فَعُمَرَ یعنی تم سے پہلے بنی اسرائیل میں ایسے آدمی تھے جن سے مکالمہ (الٰہیہ) ہوا کرتا تھا بغیر اس کے کہ وہ نبی ہوں۔ تو اگر میری امت میں ان میں سے کوئی ہے تو عمر ہے۔ اسی طرح بخاری کی کتاب التعبیر باب مبشرات میں ہے لَمْ یَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ اِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ قَالُوْا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ الرُّؤْیَا الصَّالِحَۃُ۔ یعنی نبوت میں سے صرف مبشرات رہ گئے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: اور مبشرات کیا ہیں۔ فرمایا اچھی خواب۔ پھر قرآن مجید میں سورہ ۱۰ یونس کی آیت ۶۴ میں متقی مومنوں کے متعلق لکھا ہے۔ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ۔ (ترجمہ) ان کے لئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے۔ سورہ حٰم السجدہ ۴۱ کی آیت ۳۰ میں ہے تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ (ترجمہ) ان پر فرشتے اترتے ہیں۔ پھر سورہ طٰہٰ ۲۰ کی آیت ۸۹ میں گوسالہ سامری کا جواب نہ دے سکنا اس بات کی دلیل

بتائی گئی ہے کہ وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ سنیئے۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۔۔۔ (ترجمہ) کیا وہ غور نہ کرتے تھے کہ وہ ان کی بات کا جواب نہیں دیتا۔ پھر تاریخ اسلام کو مطالعہ کرو تو صاف نظر آئے گا کہ امت محمدیہ میں مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کا شرف اولیاء اللہ کو ہمیشہ حاصل ہوتا رہا ہے۔ اس کے باوجود حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں مغربی فلسفہ کے زیر اثر تعلیم یافتہ طبقہ نے مکالمات الٰہیہ کا انکار کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی وحی اور الہام کو دیگر اولیائے امت کی طرح بغیر نشرو اشاعت کے نہیں چھوڑا بلکہ اسے بڑی تحدی اور زور کے ساتھ مشتہر کیا اور تمام منکرین کو دعوت دی کہ وہ آئیں اور آپ کے پاس ٹھہریں اور وحی الٰہی کے بارے میں نشانات آسمانی کا ملاحظہ کریں۔ استجابت دعا کے بارے میں نیچریوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ دعا کے بعد کسی واقعہ کے ظہور پذیر ہو جانے سے یہ کیسے پتہ لگ سکتا ہے کہ یہ امر استجابت دعا کا نتیجہ ہے۔ ممکن ہے وہ اسی طرح ہونے والا ہو۔ پس استجابت دعا پر تبھی یقین ہو سکتا ہے کہ وہ ایک نشان کے رنگ میں ظاہر ہو یعنی دعا سے پہلے اس کی قبولیت کے کوئی آثار نہ ہوں بلکہ حالات مخالف ہوں اور پھر دعا کے بعد حالات پلٹا کھائیں اور دعا پوری ہو جائے۔ اسی لئے عارفوں کے نزدیک مکالمات الٰہیہ یعنی خدا کی طرف سے وحی و الہام و رویا و کشوف وہ چیزیں ہیں جن سے ایمان ترقی کرتا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یقین تام پیدا ہوتا ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں نے عام طور پر حضرت مرزا صاحب کے عام چیلنج کی قدر نہ کی حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دینے کا بہترین طریقہ تھا۔ ایسا چیلنج وہی دے سکتا تھا جو صاحب حال ہو، صاحب تجربہ ہو۔ عام مشائخ اور گدی نشینوں کو یہ مقام کہاں نصیب تھا۔ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کا ساتھ دینے کی بجائے الٹا ان کی مخالفت شروع کر دی اور عام طور پر یہ مشہور کر دیا کہ دعویٰ الہام و وحی "ختم نبوت" کے خلاف ہے حالانکہ جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے اس امت میں مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ نہ صرف قرآن و حدیث کے مطابق ہے بلکہ اس کی شہادت ہر زمانہ کے اولیائے کرام دیتے رہے ہیں۔ ختم نبوت سے صرف حضرت جبریلؑ کا وحی نبوت لانا ختم ہو چکا ہے اور طرح سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے مکالمہ مخاطبہ بند نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ہو گا۔

زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ عام طور پر مسلمانوں نے حضرت مرزا صاحب کی مخالفت کی حالانکہ وہ اپنی پیشگوئیوں اور الہامات کو قرآن کی اتباع کے ثمرات کے طور پر پیش کرتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ آج سوائے اسلام کے سب مذاہب مردہ ہو چکے ہیں اور ان کے ثمرات پیچھے رہ چکے ہیں۔ صرف اسلام ہی زندہ مذہب ہے

کیوں کہ اس کے ثمرات ہر زمانہ میں ملتے رہے ہیں۔ آج بھی ملتے ہیں جس کے لئے میرا وجود زندہ ثبوت ہے۔ کسی کو دعویٰ ہے تو میرے مقابل آوے۔ صرف اسلام کا خدا ہی زندہ خدا ہے جو آج بھی اپنے بندوں سے تعلق پکڑتا ہے اور ان پر اپنے فیضان وانعامات کی بارش برساتا ہے مگر اس کو پانے کا صرف اور صرف ایک ہی رستہ ہے کہ قرآن اور محمد رسول اللہ صلعم کی اتباع کی جائے۔ اس راہ کے سوا اور تمام راستے اب بند ہیں۔ اس مضمون پر حضرت مرزا صاحب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے
کوئی دین دین محمدؐ سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دکھلائے
یہ ثمر باغ محمدؐ سے ہی کھایا ہم نے
آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے
مصطفےٰؐ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت
اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے

دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم دردبستان محمدؐ
چہ ہیبت ہا بدادند ایں جواں را
کہ ناید کس بہ میدان محمدؐ
الا اے منکر از شان محمدؐ
ہم از نور نمایان محمدؐ
کرامت گرچہ بے نام و نشاں است
بیا بنگر ز غلمان محمدؐ

اے عزیزو سنو کہ بے قرآن
حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں
ان پہ اس یار کی نظر ہی نہیں

۲۰۔ قرآن شریف کی عظمت:- اللہ تعالیٰ کی ذات اور نبی کریم صلعم سے جیسے پہلے بزرگان امت عشق کا اظہار کرتے رہے ہیں حضرت مرزا صاحب بھی اپنے نظم و نثر میں کرتے رہے ہیں۔ لیکن حضرت مرزا صاحب نے اس کے علاوہ قرآن شریف سے بھی اظہار تعشق کیا ہے۔ اس خصوصیت میں بقول ڈاکٹر سر محمد اقبال آپ تاریخ اسلام میں سب سے الگ نمایاں نظر آتے ہیں۔

صوفیوں نے تزکیہ نفس کے لئے طرح طرح کے چلے اور وظائف ایجاد کر رکھے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کا وظیفہ صوم و صلوۃ کے علاوہ صرف قرآن کریم تھا۔ گویا حضرت مرزا صاحب نے اپنے عمل سے بتا دیا کہ مسلمان کا مجاہدہ قرآن کریم کا مطالعہ اور اس کے مطالب پر غور کرنا ہے۔ آپ کے تمام اقوال و اعمال قرآن کریم کی اطاعت سے پر تھے۔ خود ہی فرماتے ہیں۔

یک قدم دوری ازاں روشن کتاب
نزد ما کفر است و خسران و تباب

حضرت مرزا صاحب نے جو پہلی کتاب تصنیف فرمائی وہ "براہین احمدیہ" تھی جو قرآن کریم اور نبی کریم صلعم کی رسالت کی صداقت پر دلائل کا مجموعہ ہے۔ اس میں آپ نے ہر ایک مذہب پر اتمام حجت کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی آپ نے اپنی کتابوں میں جگہ جگہ قرآنی آیات کی تفسیر بیان فرمائی ہے بالخصوص سورۃ فاتحہ کی تفسیر۔ جلسہ مذاہب اعظم میں جب آپ کے مضمون میں کسی آیت قرآنی کی تفسیر بیان ہوتی تھی تو مسلمانوں پر وجد کی کیفیت طاری ہو

جاتی تھی۔ اس مضمون نے غیر مسلموں کے سر بھی قرآن کریم کی عظمت اور علم و حکمت کے سامنے جھکا دئے اور جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے پیشگوئی فرمائی ہوئی تھی کہ "مضمون بالا رہا" سب نے اسی کا اعتراف کیا۔

قرآن کریم کی عظمت کو ثابت کرنے کے لئے آپ نے تین باتیں مخالفین کے سامنے پیش کیں:۔

(۱) اول یہ قرآن کریم تمام مذہبی صداقتوں کا مجموعہ ہے اور اس میں یہ صداقتیں اپنی کامل اور مکمل شکل میں ہیں۔

(۲) دوسرے یہ کہ قرآن کریم نے تمام عقاید باطلہ کی جو دنیا کی کسی قوم میں بھی پائے جاتے ہیں دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ قرآن کریم نہ صرف یہ کہ ہر ایک دعویٰ کو خود پیش کرتا ہے بلکہ اس کے دلائل بھی خود دیتا ہے۔

ان تینوں نکتوں کی تفصیل حضرت مرزا صاحب کی کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ کمال الدین مسلم مشنری انگلستان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ دہریوں کے ایک جلسہ میں انہیں اسلام پر تقریر کرنے کا موقعہ ملا۔ لیکچر کے بعد سوال و جواب کا وقت تھا۔ آپ نے اس قدر برجستہ جواب دئے کہ یورپ کے دہریئے دنگ رہ گئے۔ بات یہ تھی کہ کوئی بھی اعتراض ایسا نہ تھا جس کا جواب خواجہ صاحب حضرت مرزا صاحب کی کتابوں میں پہلے ہی پڑھ نہ چکے تھے۔ غور فرمائیے کہ حضرت مرزا صاحب ایک گاؤں کے رہنے والے کسی کالج یونیورسٹی میں کبھی نہ گئے۔ سفر بھی کیا تو شاذ و نادر، وہ بھی پنجاب کے چند ایک شہروں تک ہی زیادہ تر محدود رہا۔ مغربی سائنس اور علوم سے ناآشنا۔ ان کی کتابوں میں ہر علم اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں تھا تو کہاں سے آیا جس کے مطالعے کے بعد ان کے ایک مرید کو یورپ کے دہریہ اور مادہ پرستوں کے اعتراضات کا جواب دینے میں ذرا بھی دقت نہ ہوئی۔

اس کے علاوہ حضرت مرزا صاحب نے مسلمانوں کی دینی مشکلات کا حل بھی قرآن کریم کو ہی بتایا اور تمام اختلافات کا تصفیہ کرنے کے لئے ہدایت کی کہ قرآن مجید کو سب پر مقدم کیا جائے، پھر سنت کو پھر حدیث کو پھر فقہ حنفی کو، پھر اپنے علماء کے اجتہاد کو۔

آج دنیا میں جو ہر قسم کی جدوجہد جاری ہے اس میں بھی مسلمانوں کی ہر قسم کی مشکلات کو حل کرنے کا ذریعہ قرآن کریم کو ہی بتایا جیسا کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے لئے تھا۔ اسی طرح مسلمانوں کو توجہ دلائی کہ قرآن کریم کو پڑھیں اسے سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔

تعارف کتاب

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ

حضرت سیدہ آمنہ

["ام رسول" مصنفہ پیام شاہجہانپوری، شائع کردہ ادارہ تاریخ و تحقیق، این۔ ۲۳، عوامی فلیٹس، ریواز گارڈن، لاہور۔ قیمت ۸۰ روپے۔ "ام رسول" حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مکرمہ حضرت سیدہ آمنہ کے حسب نسب، شخصیت اور ان کی روحانی عظمت و کمالات کے بارے میں نہایت عمدہ کتاب ہے۔ مصنف نے اپنی دیگر کتب کی طرح اس کتاب میں بھی حضرت سیدہ آمنہ کے متعلق قدیم اور جدید تاریخ اور سیرت کی کتب سے تحقیق و تدقیق کے ذریعہ جو مواد اکٹھا کیا وہ ہر لحاظ سے قابل تحسین ہے۔ ہمیں مصنف کی اس بات سے پوری طرح اتفاق ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے متعلق آج تک اردو میں کوئی قابل ذکر کتاب شائع نہیں ہوئی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگاروں نے صرف ان کی والدہ ماجدہ کے مدینہ کی طرف آخری سفر اور پھر واپسی پر ابوا کی مقام پر ان کی وفات کے ذکر پر اکتفا کیا ہے عام طور پر اس سے زیادہ حضرت سیدہ آمنہ کا ذکر نہیں ملتا۔ پیام صاحب نے اس کتاب میں حضرت سیدہ آمنہ کی شخصیت کے بارے میں سیرت نگاری کا جو رنگ پیش کیا ہے اس میں تحقیق کے علاوہ عقیدت کا بھی بھرپور اظہار نظر آتا ہے اور اسی جذبہ نے پیام صاحب کی تحریر میں نہایت خوبصورت روانی اور تاثیر پیدا کر دی ہے جو قاری پر اس کے پڑھنے سے ایک جذب کی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ اس وقت تفصیلی تبصرہ مقصود نہیں۔ یہ کتاب ہر لحاظ سے ایک قابل قدر تصنیف ہے جسے ہر ایک مسلمان عورت اور مرد کو پڑھنی چاہیئے تاکہ اسے کچھ اندازہ ہو سکے کہ وہ نہایت معزز اور محترم ہستی جس نے فخر انسانیت کو جنم دیا اس کی شخصیت کردار کے کتنے ہی عظیم پہلوؤں سے مرتب تھی۔ پیام صاحب نے جہاں حضرت سیدہ آمنہ کی سیرت لکھی ہے وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد محترم حضرت عبداللہ کی شخصیت کی عظمت کی جھلکیاں بھی پیش کیں ہیں جس کے ذریعے حضور اکرمؐ کے نجیب الطرفین ہونے کے سلسلہ میں گرانقدر پہلو سامنے آتے ہیں۔

اس شمارے میں ہم قارئین کے لئے کتاب مذکور کے باب "سیدہ حضرت آمنہ" میں سے اقتباس درج کر رہے ہیں جس سے کتاب کے حسن و جمال کی کچھ جھلکیاں پڑھنے کو مل سکیں گی۔ ایڈیٹر]

مکہ میں ایک قبیلہ آباد تھا، نام تھا بنو زہرہ۔ جناب وہبؓ بن عبد منافؓ اس قبیلے کے سردار تھے۔ یہ بہت نامی گرامی رئیس تھے۔ اپنی شرافت و نجابت کے اعتبار سے جناب وہبؓ اس دور کی بہت ممتاز شخصیت تھے۔ چند واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب جناب کلابؓ سے جا ملتا ہے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ تھے اور جن کے فرزند جناب قصیؒ مکہ کے جلیل القدر حکمراں تھے۔ قصیؓ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دور دور تک بکھرے ہوئے قریش کے بارہ قبائل کو مکہ میں جمع کیا اور عرب کی تاریخ میں سب سے پہلے ایک باقاعدہ جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی جس کا انتظام و انصرام سارے قبائل مل کر باہمی مشورے سے کیا کرتے تھے۔ جناب قصیؓ اس حکومت کے سربراہ اور سارے اہل مکہ کے محبوب فرماں روا تھے۔ اپنی شجاعت و سخاوت، اپنی شرافت نفس، بلندی کردار، عالی نسبی اور تدبر و فراست میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔

سیدہ آمنہ کا قبیلہ

جناب قصیؓ کے ایک بھائی تھے زہرہؓ۔ زہرہؓ کے بیٹے کا نام عبد منافؓ تھا۔ عبد منافؓ کے بیٹے وہبؓ تھے جو اپنے قبیلے کے

نامور سردار تھے سیدہ آمنہ انہی وھب رح کی صاحبزادی تھیں۔ گویا جناب آمنہ کے جد امجد جناب زہرہ رح اور جناب قصی رح دونوں ایک ہی باپ کلاب رح بن مرہ کے بیٹے تھے۔ انہی کلاب بن مرہ کی چھٹی پشت میں ہمارے آقا و مولا حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پیدا ہوئے۔ اس طرح حضرت سیدہ آمنہ اور حضور اقدس کے والد جناب عبداللہ رح ایک ہی اصل کی شاخیں ہیں۔

یہاں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ جناب سیدہ آمنہ کے بزرگوں کے تذکرے میں جناب عبد مناف رح کا نام بھی آتا ہے۔ بعض لوگوں نے غلطی سے انہیں وہ عبد مناف رح سمجھ لیا جو حضور اقدس ص کے جد بزرگوار تھے حالانکہ یہ دونوں الگ الگ شخصیتیں تھیں۔ ایک عبد مناف رح بنو زہرہ میں سے تھے جو حضرت سیدہ آمنہ کے پردادا تھے اور ایک عبد مناف رح جناب ہاشم رح کے والد گرامی تھے جن سے بنو ہاشم کی بنیاد پڑی۔ گویا ایک عبد مناف رح بن زہرہ رح۔ دوسرے عبد مناف رح بن قصی رح۔

سیدہ آمنہ کے قبیلے بنو زہرہ کو بہت سے شرف اور امتیازات حاصل ہیں۔ پہلا اور سب سے بڑا امتیاز تو یہی ہے کہ اسی بزرگ قبیلے کی ایک محترم اور عظیم خاتون (سیدہ آمنہ) کو دنیا کی سب سے بڑی ہستی اور تاجدار انبیا کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس قبیلے کی دوسری خاتون اور سیدہ آمنہ کی چچازاد بہن جناب ہالہ بنت وھیب جن کی شادی حضرت عبدالمطلب رح سے ہوئی تھی وہ حضرت حمزہ رض بن عبدالمطلب اور حضرت صفیہ رض بنت عبدالمطلب رح کی ماں بنیں۔ پھر اس قبیلے میں اور بھی بہت سی ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئیں جن میں نامور صحابہ، فقہا، محدثین، اور راویان حدیث گذرے ہیں۔ اس قبیلے میں ایسے ایسے سرفروشان اسلام پیدا ہوئے جنہوں نے حضور ص اقدس کی محبت میں عظمت اسلام کی خاطر جہاد کے معرکوں میں اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اس قبیلے میں ایسے زاہد اور حضور ص کے مطیع و فرماں بردار پیدا ہوئے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ص کی خوشنودی کی خاطر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اللہ کی راہ میں پہلی ہجرت کی جسے ہجرت حبشہ کہتے ہیں۔ اس قبیلے میں ایسے قانون دان پیدا ہوئے جنہیں ممالک اسلامیہ کے مختلف شہروں خصوصاً مدینہ میں جج کے منصب دئے گئے۔ ایسے ایسے منتظم پیدا ہوئے جنہیں مختلف صوبوں کی گورنری اور ضلعی انتظامیہ کی ذمہ داریوں کا اہل سمجھا گیا اور بلا شبہ انہوں نے یہ ذمہ داریاں بطریق احسن پوری کیں۔ غرض قبیلہ بنو زہرہ کی خدمات جلیلہ اور اس کی شہرت و ناموری سے تاریخ کے اوراق جگمگا رہے ہیں۔ اس قبیلے کے افراد کی نسلیں نہ صرف عرب بلکہ دور دور کے ممالک میں پھیل گئیں اور انہوں نے ہر شعبہ ۔ حیات میں زریں کارنامے سرانجام دیئے۔ شہرہ آفاق مورخ و ماہر انساب علامہ ابن حزم رح نے اپنی معرکتہ الآرا کتاب میں ایک طویل فہرست ان نمایاں شخصیات کی درج کی ہے جو قبیلہ بنو زہرہ سے تعلق رکھتی ہیں (۱)

قبیلہ آمنہ کا خصوصی شرف

سیدہ آمنہ کے قبیلے (بنو زہرہ) کو ایک بہت بڑا شرف ایسا بھی حاصل ہے جو اسے دینی اعتبار سے مکہ بھر کے سارے قبیلوں میں ممتاز کرتا ہے۔ چنانچہ ایک ممتاز مصنف نے اپنی کتاب میں اس شرف کا یوں ذکر کیا ہے:-

"قبیلہ بنو زہرہ کے کسی ایک فرد نے بھی غزوہ بدر میں حضور ص اقدس اور مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ کا ساتھ نہیں دیا۔" (۲)

اندازہ کیجئے جب سارا مکہ حضور ص اقدس اور مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا اور یہ خیال کر کے انگاروں پر لوٹ رہا تھا کہ جس ہستی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو قتل کر کے وہ اس کے مشن کو (نعوذ باللہ) نیست و نابود کر دینا چاہتے تھے وہ ان کی گرفت سے نکل کر مدینہ پہنچ گیا اور وہاں کا سردار اعلیٰ بن گیا۔ انہیں صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کی طاقت کو ابھی سے ختم نہ کیا گیا تو ایک دن وہ مکہ پر قابض ہو جائیں گے۔ چنانچہ مکہ کا ہر قبیلہ اس "خطرے" کے سدباب کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ ہر قبیلے کے ہر خاندان کا کم از کم ایک فرد ضرور محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے خلاف جنگ (بدر) میں حصہ لے۔ گویا حضور ص اقدس اور مسلمانوں کے خلاف ہر طرف مخالفت کا الاؤ شعلے مار رہا تھا۔ اس الاؤ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور مشرکین مکہ کا ساتھ نہ دینا بڑے دل گردے کا کام تھا۔ سیدہ آمنہ کے قبیلے (بنو زہرہ) پر آفریں ہے کہ اس نے مشرکین مکہ کی قطعاً پروا نہ کی اور قریش کی تمام تر کوششوں کے باوجود ان کے کسی ایک فرد نے بھی جنگ بدر میں

قریش کا ساتھ نہیں دیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سیدہ آمنہ کی برکت تھی کہ آپ کا قبیلہ حضورؐ اقدس اور مسلمانوں کی مخالفت اور انہیں ایذا پہنچانے سے محفوظ رہا۔

سیدہ آمنہ کے فضائل

عجیب بات ہے کہ جس طرح سیدہ آمنہ کے قبیلے کو مکہ کے تمام قبائل پر ایک خاص فضیلت حاصل تھی اسی طرح جناب آمنہ کو مکہ کی تمام عورتوں بلکہ سارے عرب کی عورتوں پر فضیلت حاصل تھی۔ یہ محض ہمارا قیاس نہیں بلکہ زمانہ۔ قدیم و جدید کے تمام مورخ، سیرت نگار اور محقق سیدہ آمنہ کی اخلاقی و نسبی فضیلت پر متفق ہیں۔

چنانچہ مورخ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ:۔

"سیدہ آمنہ قریش کی عورتوں میں حسب و نسب اور فضیلت کے اعتبار سے سب میں ممتاز تھیں۔" (۳)

رسول اقدسؐ کے اولین اور نہایت مستند سیرت نگار علامہ ابن اسحاقؒ لکھتے ہیں:۔

"سیدہ آمنہ اپنے حسب نسب اور اپنے مرتبے کے لحاظ سے قریش میں افضل ترین خاتون تھیں"۔ (۴)

علامہ محمد بن ابی بکر الخطیب القسطلانیؒ اور ان کے شارح علامہ زرقانیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"سیدہ آمنہ اپنے نسب کے اعتبار سے باپ کی طرف سے اور حسب کے اعتبار سے ماں کی طرف سے قریش کی تمام عورتوں پر فائق تھیں۔" (۵)

آگے چل کر یہی فاضل سیرت نگار ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

"حضرت آمنہ بہت عقیل و فہیم، نسب کے اعتبار سے اپنی قوم میں سب سے افضل اور نجیب تر تھیں اور اصل کے اعتبار سے ساری قوم میں پاکیزہ سیرت اور طیب تھیں۔"

امام المفسرین حضرت علامہ حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ کا بیان ہے کہ:۔

"حضرت آمنہ اپنے قبیلے میں سیرت النساء (یا سیدۃ النسا) کے لقب سے پکاری جاتی تھیں"۔ (۶)

عربی انسائیکلوپیڈیا (دائرۃ المعارف الاسلامیہ) میں پوری تلاش و تحقیق کے بعد سیدہ آمنہ کی فضیلت پر یہ جامع تبصرہ کیا گیا ہے:۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت آمنہ قریش میں اپنے حسب نسب کے اعتبار سے افضل ترین خاتون تھیں۔" (۷)

شہرہ آفاق مورخ و مفسر ابن جریر طبریؒ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:۔

"وھبؒ نے جوان دنوں اپنی عمر اور شرف و فضیلت دونوں کے اعتبار سے قبیلہ بنو زھرہ (میں ممتاز اور اس) کے سردار تھے اپنی دختر (جناب) آمنہ کا نکاح (جناب) عبداللہ سے کر دیا۔ سیدہ آمنہ اپنے زمانے کی قریشی عورتوں میں سب سے زیادہ صاحب فضیلت تھیں۔" (۸)

عالم اسلام کا نامور مورخ اور شہرہ آفاق کتاب "اخبار مکہ" کا فاضل مصنف سیدہ آمنہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے:۔

"سیدہ آمنہ بنت وھبؒ اپنی قوم کے بزرگ اور شریف ترین لوگوں میں سے شریف ترین خاتون تھیں"۔ (۹)

زمانہ۔ حال کی طرف آئیے۔ دانش گاہ پنجاب لاہور کی طرف سے جو انسائیکلوپیڈیا شائع ہوتی ہے اور جسے علماء و مورخین کے ایک بورڈ نے مرتب کیا ہے اس میں سیدہ آمنہ کے بارے میں فاضل محققین نے یوں اظہار خیال کیا ہے:۔

"سیدہ آمنہ (نہایت) نیک اور پاکباز خاتون تھیں۔ طہارت نفس، شرافت نسب، عزت و وجاہت، عفت و عصمت اور پاکبازی میں بے مثال تھیں اور اپنی قوم میں "سیدۃ النسا" کے لقب سے مشہور تھیں۔ وہ صبر و رضا اور ہمت و استقامت کا پیکر تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد راضی برضائے الہیٰ ہو کر صبر و رضا کی مثال بن گئیں۔" (۱۰)

سیدہ آمنہ کو "کارلائل" کا خراج تحسین

سیدہ آمنہ کے اوصاف حمیدہ کے صرف مسلمان سیرت نگار اور مورخ ہی معترف نہیں بلکہ مغرب کے ممتاز مسیحی مورخ اور دانشور بھی ان کے شرف و فضیلت کا اعتراف کرتے اور انہیں دنیا کی ممتاز ترین شخصیتوں میں شمار کرتے تھے۔ چنانچہ مغرب کا ممتاز

اور نامور دانشور "کارلائل" لکھتا ہے کہ:۔

(سیدہ آمنہ) اپنے حسن صورت، اپنی عقل و تمیز اور اپنے فہم و فراست کے اعتبار سے ایک ممتاز اور نامور خاتون تھیں۔" (۱۱)

سیدہ آمنہ کا نسب والدہ کی طرف سے

عرب لوگ شادی کرتے وقت لڑکی (اور اسی طرح لڑکے) کے نجیب الطرفین ہونے پر بہت زور دیتے تھے یعنی ماں اور باپ دونوں کی طرف سے نسب میں کوئی کمزوری نہ ہو۔ سیدہ آمنہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آپ اپنے والد وھبؓ کی طرف سے افضل النسب ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے بھی افضل النسب تھیں۔ ان کی والدہ کا اسم مبارک برہ بنت عبدالعزیٰ تھا جن کا نسب چند واسطوں سے حضور اقدسؐ کے جد امجد جناب قصیؓ سے جا ملتا ہے۔ محترمہ برہ کی والدہ ماجدہ یعنی سیدہ آمنہ کی نانی کا نام نامی ام حبیب تھا یہ اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیؓ کی بیٹی تھیں اور ام حبیب کی والدہ محترمہ برہ بنت عوف کا سلسلہ۔ نسب چند پشتوں کے بعد غالب بن فہر سے جا ملتا ہے جو حضور اقدسؐ کے نامور اور شجاع ترین اجداد میں سے تھے جنہوں نے حاکم یمن حسان کو شکست فاش دے کر گرفتار کر لیا تھا۔ یہ شاہ حسان وہی ہے جو خانہ کعبہ کی عمارت منہدم کرنے کی غرض سے مکہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ اس طرح سیدہ آمنہ اپنی والدہ ماجدہ کی طرف سے بھی نہایت عالی نسب ثابت ہوتی ہیں۔ گویا جناب وھبؓ، ان کی شریک حیات محترمہ برہؓ اور حضورؐ اقدس سب ایک ہی اصل کی شاخیں تھیں اور حسب نسب میں ممتاز۔

سیدہ آمنہ کی شادی

سیدہ آمنہ کا قبیلہ بنو زہرہ قریش کے دوسرے قبائل کے مقابلے میں بنو ہاشم کے سب سے زیادہ قریب تھا۔ دونوں کے جد امجد ایک ہی تھے یعنی کلاب ابن مرہ۔ جیسا کہ قبل ازیں بھی بتایا جا چکا ہے کہ کلاب کے بیٹے قصیؓ اور زہرہؓ دونوں آپس میں حقیقی بھائی تھے۔ دونوں میں زمانہ۔ قدیم سے محبت و مودت کے تعلقات قائم تھے۔ دونوں خاندانوں کے بچے مکہ کی وادیوں اور پہاڑیوں میں کھیلتے اور صحن حرم میں بھی آ بیٹھتے۔ علاوہ ازیں مختلف تقریبات میں بھی دونوں خاندانوں کے بچے اپنے والدین کے ساتھ ایک دوسرے کے گھروں میں جاتے کیونکہ جناب عبدالمطلبؓ بنو ہاشم کے سردار تھے اور (سیدہ آمنہ) کے والد جناب وھبؓ بنو زہرہ کے سردار تھے۔ دونوں میں ملاقاتیں رہتی تھیں اور قریش کو جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوتا تو یہ دونوں مشورے کے لئے اکٹھے ہوتے۔ دونوں قبیلوں کے درمیان تجارتی تعلقات بھی تھے۔ اس طرح جناب عبداللہؓ بن عبدالمطلبؓ اور سیدہ آمنہ بنت وھبؓ ایک دوسرے کے لئے غیر معروف نہیں تھے اور بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے، ساتھ کھیلتے رہتے تھے۔ (۱۲)

دونوں خاندانوں کے اس دیرینہ تعلق نے سیدہ آمنہ اور جناب عبداللہؓ کو رشتہ ازدواج میں منسلک کرنے کی راہ مزید ہموار کر دی اور جب حضرت عبدالمطلبؓ نے جناب عبداللہؓ کا رشتہ جناب وھبؓ کی خوش خصال بیٹی (سیدہ آمنہ) کے لئے پیش کیا تو انہوں نے بلا تامل قبول کر لیا۔ ایک روایت کے مطابق ان دنوں سیدہ آمنہ اپنے چچا جناب وھیب کی زیر پرورش تھیں اور وہی ان کی تربیت فرما رہے تھے۔ یہ وھیبؓ بھی اپنے بھائی وھبؓ کی طرح نہایت شریف النفس اور اعلیٰ کردار کے حامل سردار تھے اور اپنے قبیلے میں بہت عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

حضرت آمنہ کی عمر بیس سال کے قریب تھی جب ان کی شادی حضرت عبداللہؓ سے ہوئی۔ قبیلے کے دستور کے مطابق حضرت عبداللہؓ نے تین دن سسرال میں گذارے اور کاشانہ آمنہ کو زینت دی۔ پھر یہ نو بیاہتا جوڑا مکہ کے محلہ "زقاق المولد" کے ایک مکان میں جا اترا (۱۳)۔ یہ مکان حضرت عبدالمطلبؓ کی ملکیت تھا جو انہوں نے جناب عبداللہؓ کو عطا کر دیا تھا۔

عظیم ماں

افسوس کہ سیدہ آمنہ شادی کے بعد جلد ہی اپنے خوش جمال و خوش خصال شوہر (جناب عبداللہؓ) کی رفاقت سے محروم ہو گئیں۔ شوہر کے انتقال کے بعد آپ قریباً چھ سال زندہ رہیں۔ بیوگی کا یہ زمانہ سیدہ آمنہ نے بہت ہی صبر و استقلال سے گذارا۔ اگرچہ جناب آمنہ اپنے شریف و نجیب اور انتہائی محبت کرنے والے شوہر کی رفاقت سے محروم ہو گئی تھیں مگر انہیں ایک گوہر نایابؐ بھی مل گیا

تھا۔ یہی ان کا سب سے بڑا سرمایہ حیات تھا اور تعلق خاطر نے انہیں دنیا کی سب سے عظیم خاتون اور سب سے عظیم ماں بنا دیا۔ حضرت عبداللہؓ کی وفات پر قریباً سات ماہ کی مدت گذری ہو گی کہ جناب سیدہ آمنہ نے اس فرزندؐ گرامی کو جنم دیا جس کی ذات سے دنیا کا سب سے عظیم روحانی، اخلاقی، معاشی اور سیاسی و سماجی انقلاب وابستہ تھا اور جس کی ذات گرامی سے وہ چشمہ فیض جاری ہونے والا تھا جس کے لئے بند ہونا مقدر ہی نہیں کیا گیا تھا جس کا نام نامی و اسم گرامی محمد تھا۔ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

سیدہ آمنہ پر ملائکہ کا نزول

حضورؐ اقدس ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ سیدہ آمنہ پر اسرار روحانی منکشف ہونے لگے۔ انہیں کشوف و رویا۔ اور الہامات سے نوازا جانے لگا اور ان پر ملائکہ کا نزول شروع ہو گیا۔ انہیں ایک ایسے فرزند کی بشارت دی گئی اور اس کے بارے میں یہ خوش خبری سنائی گئی کہ وہ دنیا کا سردار ہو گا اور بنی نوع انسان کو بتوں کی غلامی سے نجات دے گا اور جو نبی و رسول ہو گا چنانچہ آپ خود فرماتی ہیں کہ :-

"میں ایسی حالت میں تھی کہ نہ تو سو رہی تھی اور نہ پوری طرح جاگ رہی تھی کہ ایک آنے والا (فرشتہ) میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے تم حاملہ ہو گئی ہو؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے علم نہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ تم نے ایسے شخص کو حمل میں لیا ہے جو امت کا سردار اور نبی ہو گا (آپ فرماتی ہیں) یہ دو شنبہ کا دن تھا۔ اس کے بعد کچھ مدت خاموشی رہی، لیکن جب ولادت کا وقت قریب آیا تو پھر وہی آنے والا (فرشتہ) آیا اور مجھ سے کہا کہ یہ دعا مانگتی رہو کہ "میں (اپنے) اللہ سے جو واحد اور صمد ہے اس بچے کے لئے پناہ چاہتی ہوں کہ وہ اسے ہر حاسد کے شر سے محفوظ رکھے"۔ سیدہ آمنہ فرماتی ہیں کہ میں اسی طرح دعا مانگا کرتی تھی۔ (۱۴)

زبان رسالتؐ سے تصدیق

سیدہ آمنہ نے اپنے فرزندؐ گرامی کی ولادت کے بارے میں جو کچھ دیکھا وہ عام خواب نہیں تھا جیسا کہ بعض عورتیں دیکھ لیا کرتی ہیں بلکہ یہ خدا کی طرف سے خاص بشارت تھی جو انبیاء کی ولادت سے قبل امہات انبیاء کو دی جاتی ہے چنانچہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے خود اس کی تصدیق کی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ :-

"میں اپنے باپ (حضرت) ابراہیمؑ کی دعا ہوں (حضرت) عیسیٰؑ ابن مریم کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا وہ "رویا" ہوں جو انہوں نے (ظاہری آنکھ سے) دیکھا کہ ان کے جسم سے ایک نور نکلا جس میں انہیں شام کے محلات نظر آتے اور انبیاء کی ماؤں کو اسی طرح دکھایا جاتا ہے"۔ (۱۵)

حضورؐ کے اس ارشاد میں رویا کے ساتھ "رات" کا لفظ بھی ہے یعنی میری ماں نے دیکھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ آمنہ نے یہ منظر سوتے میں نہیں دیکھا بلکہ ظاہری آنکھ سے دیکھا کیونکہ اسی روایت کا دوسرا حصہ اس طرح ہے کہ ______ "انبیاء کی ماؤں کو اسی طرح دکھایا جاتا ہے۔" یہ حضورؐ اقدس فرما رہے ہیں۔ اب دیکھئے کہ اس سے قبل انبیاء کی ماؤں کو کس طرح دکھایا گیا؟ قرآن کریم نے حضرت اسحاقؑ، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی ماؤں کا ذکر کیا ہے جنہیں ان کے ہونے والے بیٹوں کی بشارت دی گئی مگر ان میں سے کسی کو بھی خواب کے ذریعے یہ بشارت نہیں دی گئی بلکہ عین بیداری کے عالم میں دی گئی۔ پس حضورؐ کا یہ فرمانا کہ "نبیوں کی ماؤں کو اسی طرح دکھایا جاتا ہے" ______ ثابت کرتا ہے کہ سیدہ آمنہ کو بھی یہ منظر سوتے میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں دکھایا گیا اور روایات میں جہاں جہاں رویا کا لفظ استعمال ہوا ہے اس سے مراد کشف ہے اور کشف سوتے میں نہیں بلکہ بیداری کی حالت میں دکھایا جاتا ہے۔ اس کی تائید خود سیدہ آمنہ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ :-

جب (حضورؐ کی) ولادت کا وقت آیا تو پھر وہی آنے والا آیا اور مجھ سے کہا کہ یہ دعا مانگتی رہو...... " (۱۵ - الف)

ظاہر ہے کہ یہ آنے والا اور دعا کے لئے کہنے والا سوائے فرشتے کے اور کون ہو سکتا تھا؟

ایک اور بہت بڑے عالم اور محدث حضرت امام القسطلانیؒ نے اس روایت کو زیادہ وضاحت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ پوری حدیث اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں، عیسیٰؑ ابن مریم کی بشارت

ہوں اور اپنی ماں کا وہ رویا (کشف) ہوں جو انہوں نے نیند کی حالت میں نہیں بلکہ اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھا تھا اور پیغمبروں کی ماؤں کو اسی طرح دکھایا جاتا ہے"۔ (۱۶)

سیدہ آمنہ کو غیب کی طرف سے دعا کی تلقین

رسولؐ اقدس کے سب سے پہلے اور سب سے مستند سیرت نگار بیان کرتے ہیں کہ جب حضورؐ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو سیدہ آمنہ کو رویا میں بتایا گیا کہ تم ان اشعار کا ورد کرتی رہو۔ (پہلا شعر)

اعیذ بالواحد   من کل شر حاسد (۱۷)

(ترجمہ) "میں اسے (حضورؐ کو) اس کی پناہ میں دیتی ہوں جو واحد ویگانہ ہے کہ وہ اس کی ہر حاسد کے شر سے حفاظت فرماتے۔ اس حاسد کے شر سے (حفاظت فرماتے) جو ہر اس شخص سے حسد کرتا ہے جس کی کوشش ہوتی ہے کہ اللہ کی عبادت کرنے اور لوگوں سے بھلائی کرنے میں دوسروں سے آگے نکل جاتے۔ اس دنیا میں اس (حضورؐ) کا نزول اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ بندہ ہے اس اللہ کا جس کی تعریف کی کوئی حد نہیں اور جو بہت بڑی شان والا ہے۔ وہ (رسولؐ اقدس) آتے (یعنی دنیا میں اس کا ظہور ہو) یہاں تک کہ میں اسے ان مقامات میں دیکھوں جہاں لوگوں کے اجتماعات ہوتے ہیں۔" (ماخوذ "ام رسولؐ" ص ص ۵۵ تا ۶۲)

---

(۱) جمہرۃ انساب العرب لابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی۔ الطبعتہ الثالثہ۔ دار المعارف بمصر۔ ص ۱۲۸ تا ۱۳۵۔ ۱۹۱۳ھ = ۱۹۷۱ء)۔

(۲) «الجوہر فی نسب النبیؐ واصحاب العشرہ»۔ الجز الاول۔ ص ۲۱۶۔ الطبعتہ الاولی ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء۔ منشورات۔ دار الرفاعی (الریاض)

(۳) السیرۃ النبویہ۔ ص ۱۵۶ (ابن ہشام)

(۴) سیرت ابن اسحاق مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی مولفہ محمد بن اسحاق بن یسار۔ تحقیق و تعلیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ (اردو ترجمہ)

(۵) «شرح مواهب الدنیہ»، از امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی۔ الجز الاول۔ ص ۱۰۳ الطبعتہ الاولی بالمطبعتہ الازہریہ المصریہ۔ (مطبوعہ ۱۳۲۵ھ)

(۶) «البدایہ والنہایہ»، جلد دوم ص ۲۴۹۔ (علامہ ابن کثیر)

(۷) «دائرۃ المعارف الاسلامیہ»، جلد ۲ ۔ ص ۶۳۔ طہران (انتشارات جہاں)

(۸) تاریخ الرسل والملوک لابی جعفر محمد بن جریر الطبری۔ الجز الثانی۔ ص ۲۴۳۔ (دائر المعارف بمصر ۱۹۶۱)

(۹) «اخبار مکہ»۔ تالیف ابی الولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی۔ تحقیق رشدی الصالح۔ الجز الاول۔ ص ۱۵۳۔ (دار الاندلس)

(۱۰) «اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ»، جلد ۱۹۔ ص ۱۰۔ ۱۱ دانش گاہ پنجاب، لاہور (۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء)

(۱۱) "HEROES AND HEROWORSHIP" BY THOMAS CARLYLE, LONDON, GEORGE ROUTLEDGE AND SONS LTD. p. 70.

(۱۲) «سیدات بیت النبوۃ»، مولفہ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطی (پروفیسر قرآنیات مراکش یونیورسٹی) مطبوعہ قاہرہ۔ طبع اول۔ ص ۹۰

(۱۳) علامہ عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نے اپنی کتاب «مختصر سیرۃ رسول»، میں اس محلے کا نام «زکاک المولد»، لکھا ہے اور اس کا محل وقوع «شعیب بنی ہاشم»، قرار دیا ہے (ص ۱۰۹)

(۱۴) طبقات الکبیر، جلد اول۔ ص ۹۸۔ (محمد ابن سعد)۔

(۱۵) مسند لامام احمد بن حنبل۔ الجلد الرابع۔ ص ۱۲۸۔ المکتب الاسلامی للطباعتہ والنشر۔ بیروت

(۱۵) الف طبقات ابن سعد جلد اول۔ ص ۹۸

تبصرہ

قسط ۵

تبصرہ: "قادیانی مسئلہ اور لاہور گروپ کی حیثیت"

حضرت مرزا صاحب کا حسب و نسب

غازی صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب ابتدا میں اپنے خاندان کا مغلیہ خاندان کی شاخ برلاس سے شجرہ نسب ملاتے تھے۔ مگر بعد میں ایک حدیث نبویؐ کو اپنے اوپر منطبق کرنے کی خاطر الہامات کا سہارا لے کر اپنے خاندان کو فارسی الاصل کہنا شروع کر دیا۔ یہ بات لکھ کر غازی صاحب نے حضرت مرزا صاحب کی نیت پر بڑا سوقیانہ حملہ کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تیمور کا قبیلہ ترکوں میں سے نہ تھا بلکہ برلاس تھا۔ جو سمرقند اور کش میں آباد تھا اور وہ دراصل ایرانی النسل تھا۔ ترکوں میں عمردراز رہنے کے باعث رسماً ترک کہلانے لگا۔ تاریخ کے طالب علم بخوبی جانتے ہیں کہ تاتاری ہمیشہ خان کہلاتے تھے۔ مثلاً چنگیز خان، ہلاکو خان، منقو خان وغیرہ۔ وہ عمر بھر کبھی مرزا نہ کہلائے۔ کیونکہ مرزا کا لقب خالص ایرانی ہے۔ تیمور نے اپنے قومی نشان ہمیشہ ایرانی رکھے۔ اس کے محلات بھی ایرانی طرز کے تھے اور اس کی قوم کا لقب مرزا خالص ایرانی تھا۔ اس کے جد امجد کا نام ایرودم جی برلاس خالص ایرانی تھا۔ حاجی برلاس حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے مورث اعلیٰ تیمور کا حقیقی چچا تھا۔ حضرت مرزا صاحب نے اپنی کتاب البریہ ص ۱۳۸ کے حاشیہ میں یہ لکھ کر کہ ان کے بزرگ سمرقند سے ہندوستان آئے تھے حاشیہ در حاشیہ میں فرمایا:

"عرصہ سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا کہ خدا تعالیٰ کے متواتر الہامات سے مجھے معلوم ہوا تھا کہ میرے باپ دادا فارسی الاصل ہیں۔ وہ تمام الہامات میں نے انہی دنوں "براہین احمدیہ" کے حصہ دوم میں درج کر دیئے تھے جن میں سے میری نسبت ایک یہ الہام ہے **خذوالتوحید التوحید یا ابنا الفارس** یعنی توحید کو پکڑو توحید کو پکڑو اے فارس کے بیٹو! پھر دوسرا الہام میری نسبت یہ ہے **لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنالہ رجل من فارس** یعنی اگر ایمان ثریا سے معلق ہوتا تو یہ مرد جو فارسی الاصل ہے وہیں جا کر اس کو لے لیتا۔ اور پھر ایک تیسرا الہام میری نسبت یہ ہے۔ **ان الذین کفروا رد علیھم رجل من فارس شکر اللہ سعیہ** یعنی جو لوگ کافر ہوئے اس مرد نے جو فارسی الاصل ہے ان کے مذاہب کو رد کر دیا خدا اس کی کوشش کا شکر گزار ہے۔ یہ تمام الہامات ظاہر کرتے ہیں کہ ہمارے آبا اولین فارسی تھے **والحق ما اظھرہ اللہ**"

حضرت اقدس کی یہ کتاب ۲۴ جنوری ۱۸۹۸ء کو چھپی۔ اگر اس میں سے سترہ اٹھارہ برس منہا کئے جائیں تو الہامات کا زمانہ ۷۹-۱۸۸۰ بنتا ہے اور متذکرہ بالا الہامات آپ کی تصنیف منیف "براہین احمدیہ" حصہ دوم میں درج موجود ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ ایک طرف مغلیہ خاندان کے متعلق رائج نظریہ یہ تھا کہ وہ ترکی النسل ہیں اور دوسری طرف خدا تعالیٰ نے الہامات کے ذریعہ آپ پر انکشاف فرمایا تھا کہ آپ فارسی الاصل ہیں۔ اب جو آپ کے بعد محققین تاریخ نے خاندان مغلیہ کی تحقیق کی ہے اس نے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچا دی ہے۔ کہ تیموری خاندان فارسی الاصل تھا نہ کہ ترکی نسل۔ اور یوں تازہ تحقیق نے حضرت مرزا صاحب کے الہامات پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ اگر ہمارے مخالف علماء نے فطرت سلیمہ سے کچھ حصہ پایا ہوتا۔ تو اس معاملہ پر نہایت سنجیدگی سے ضرور

غور کرتے اور حضرت مرزا صاحب کے الہامات کی صداقت پر فوراً ایمان لے آتے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے فرعون مصر کی لاش کی حفاظت اور اسے آنیوالی نسلوں کے لیئے ایک نشان قرار دیا ہے۔ مگر صدیوں تک یہ حقیقت عوام کی نظروں سے پوشیدہ رہی اور عیسائیوں نے بالخصوص ان آیات قرآنی کی بڑی تضحیک کی۔ مگر خدا تعالیٰ کا یہ نشان بڑی آب و تاب سے دنیا میں ظہور پذیر ہوا اور اس لاش کو زمین کی تہ سے باہر نکالنے والے بھی خود عیسائی تھے جو آثار قدیمہ کے محقق تھے۔ تو مسلمانوں کا ایمان کلام اللہ شریف پر ہزاروں گنا بڑھ گیا۔ مگر دوسرے مذاہب سے وابستہ تمام لوگ ویسے کے ویسے ہی ظلوم و جہول رہے۔ یہی صورت حال ہمارے مخالف علماء کی ہے کہ وہ بھی مخالفت پر بدستور ادھار کھاتے بیٹھے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی حین حیات میں سوائے الہامات کے ان کے پاس کوئی تاریخی ثبوت نہ تھا۔ مگر جب اس معاملہ کی باقاعدہ تحقیقات کی گئی تو لندن لائبریری میں محفوظ تاریخی کتب اور تاریخ کے محقق پروفیسروں کی محققانہ رائے سے الہامات کی صداقت ثابت ہو گئی۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔**

مرزا شیر علی کا مخالفانہ پروپیگنڈہ

پروفیسر غازی نے حضرت مرزا صاحب کے برادر نسبتی (سالے) مرزا شیر علی کے بیان کو بھی اچھالا ہے کہ وہ قادیان میں آنیوالے احباب کو بتایا کرتا تھا کہ یہ مرزا ایک دھوکہ باز آدمی ہے غربت و افلاس کا مارا ہوا ہے۔ پیسہ کمانے کی خاطر یہ دوکان داری شروع کر رکھی ہے۔ مرزا شیر علی کا قریبی رشتہ دار ہونا اس بات کا ثبوت تو نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ وہ اپنے .بہنوئی کے بارے میں سرعام کہتا پھرتا تھا وہ حرف بحرف درست اور لائق اعتنا تھا۔ اس کی بہن کو طلاق مل چکی ہوئی تھی۔ اور اس کا گھرانہ دہریہ منش تھا۔ اس کے والد اور چچا مرزا امام الدین اور نظام الدین اسلام کے سخت باغی اور وجود باری تعالیٰ کے منکر تھے اور انہوں نے اسلام دشمنی میں یہاں تک جسارت کی کہ اسلام کے بدترین دشمن اور دریدہ دہن شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس کا نام پنڈت لیکھ رام تھا کو ذاتی دعوت بھیج کر قادیان بلوایا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس دریدہ دہن شخص کو اپنے قیام قادیان کے دوران حضرت مرزا صاحب کے قریب آنے کی جرات نہ ہوئی اور یونہی کاغذی گھوڑے دوڑاتا ہوا قادیان سے واپس چل دیا۔ غازی صاحب نے جب شیر علی کا تذکرہ اپنی کتاب میں کیا ہے۔ تو اس کے ساتھ یہ بھی بتانا ان کا اخلاقی فرض تھا کہ مرزا شیر علی کے پروپیگنڈہ کا نتیجہ کیا نکلا کرتا تھا۔ مگر چونکہ ان کو علم تھا کہ مرزا شیر علی کی اس معاندانہ سرگرمیوں کا زائرین کے دل و دماغ پر رتی بھر اثر نہیں ہوتا تھا۔ اسلیئے نتیجہ بتانا گول کر گئے۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ یہی طریقہ خود آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچاؤں ابو جہل اور ابو لہب نے حضور اکرم صلعم کے خلاف اختیار کیا تھا۔ جس طرح سے ابو جہل اور ابو لہب کے نام صفحہ ہستی سے مٹ گئے ہیں اسی طرح مرزا امام الدین، نظام الدین اور شیر علی کے نام دنیا سے ملیا میٹ ہو چکے ہیں مگر مرزا غلام احمد قادیانی کا اسم گرامی چار دانگ عالم میں زندہ جاوید ہے اور جونہی مخالفت کا طوفان تھمے گا مسیح ناصری کی طرح یہ مسیح محمدی بھی مرجع و خاص عام بن جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشد ترین دشمن اور مخالف آپ کے خاندان بنو ہاشم کے ہی افراد تھے۔ اسی طرح اگر حضرت مرزا صاحب کے بدترین مخالف آپ کے اپنے خاندان کے لوگ تھے تو اس سے سوائے آپ کے صادق ہونے کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکلتا۔ علامہ اقبال نے کیا پتے کی بات کی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تاامروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ایک حیرت انگیز دروغ بافی

ڈاکٹر غازی کی کتاب کے مطالعہ سے میں ان نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اس شخص نے اپنی کتاب کی تالیف میں ایک کتاب " قادیانیت اسلام کے لیئے سنگین خطرہ " پر زیادہ تر انحصار کیا ہے۔ وہ کتاب دراصل جنرل ضیاء الحق نے حکومت کی خرچ پر قادیانیت کے بارے میں بطور قرطاس ابیض شائع کرائی تھی۔ ڈاکٹر غازی نے اس نام نہاد قرطاس سے یہ جھوٹ بھی اٹھا کر اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے کہ حضرت

مرزا صاحب عربی زبان کے ملتی جلتی آواز کے الفاظ میں تمیز نہیں کر سکتے تھے اور بسا اوقات باہر سے آنیوالے ملاقاتی لوگ آپ کی اس بے بضاعتی پر سخت معترض ہوتے تھے۔ مگر آپ انہیں تسلی بخش جواب دینے سے قاصر رہے۔ پھر خود ہی اس خود ساختہ کہانی کو سچا ثابت کرنے کے لیئے اخبار الفضل محریہ ۱۴ ستمبر ۱۹۳۸ کا حوالہ دے دیا ہے۔ چونکہ مسٹر غازی جانتا ہے کہ احمدی لوگ اپنے مخالف علماء کی تحریرات اور کتب کا جواب دینے سے حکماً منع کئے جا چکے ہیں۔ اسلیئے ان کے جھوٹ کی قلعی نہ کھل سکے گی۔

میں ڈاکٹر غازی کو چیلنج کرتا ہوں کہ اگر اس میں ایمان کی کچھ رمق ہے۔ تو وہ مذکورہ الفضل میں سے اپنی بیان کردہ کہانی نکال کر دکھائے اور میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں الفضل تو ایک طرف رہا وہ حضرت مرزا صاحب کے کسی ہم عصر مخالف عالم دین کی ہی تحریر پیش کر دے جس نے حضرت مرزا صاحب سے ملاقات اور گفتگو کرنے کے بعد لکھا ہو کہ وہ عربی الفاظ کا تلفظ صحیح طور پر ادا نہیں کر سکتے تھے مگر وہ یہ بھی نہیں کر سکے گا۔ جنرل ضیاء کے بدنام زمانہ قرطاس ابیض میں حضرت مرزا صاحب کی طرف منسوب کردہ کمزوری کو اسلام کے لیئے سنگین خطرہ قرار دیا ہے وہ کیسے؟ اس کا جواب کہیں نہیں ملتا اور مجھے مجبور ہو کر کہنا پڑتا ہے کہ اس قسم کے جھوٹے قصے بیان کر کے مخالفین احمدیت اپنی اخلاقی پستی کا بدترین مظاہرہ کرتے ہیں۔ اگر واقعتہ حضرت مرزا صاحب میں یہ کمزوری ہوتی تو علماء و فضلاء اور علوم جدیدہ کے ماہر اور تعلیم یافتہ لوگ قادیان کا کبھی رخ ہی نہ کرتے۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر غازی سے ایک بات دریافت طلب یہ ہے کہ علما اسلام کا عام طور پر یہ خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی۔ جس کی بنا پر فرعون کی طرف جانے کا خدائی حکم ملنے پر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ انہیں حضرت ہارون علیہ السلام کو بطور وزیر عطا فرمایا جائے تاکہ وہ ان کی طرف سے فرعون کو حق کی دعوت دیں۔ کیونکہ وہ ان کے مقابلے میں بہت زیادہ فصیح و بلیغ ہیں۔ اگر کار ہائے نبوت و رسالت اور ارشاد و ہدایت میں زبان میں لکنت کسی رکاوٹ کا باعث ہو سکتی تھی تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جگہ کسی دوسرے شخص کو مقام نبوت پر کیوں نہ قائم فرمایا گیا۔ سچ فرمایا ہے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے کہ مخالف جو اعتراض میری ذات پر کریں گے اس کی زد کسی نہ کسی نبی پر ضرور پڑے گی۔

حضرت مرزا صاحب کی عملی زندگی کے کتنے دور تھے

ڈاکٹر ایم اے غازی نے سلسلہ احمدیہ کے مخالف نام نہاد محققین کے حوالہ سے حضرت مرزا صاحب کی عملی زندگی کے چار دور بتاتے ہیں۔ جو فرضی اور خود ساختہ ہیں۔ آپ کی زندگی کے دراصل دو دور تھے۔ پہلا دور قبل از دعویٰ ماموریت سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا دعویٰ ماموریت سے لے کر وفات تک۔ پہلے دور میں آپ نے علوم دین شرع متین کی دولت سے اپنے آپ کو مالا مال کیا۔ عبادت و ریاضت سے تعلق باللہ حاصل ہوا۔ قرآن مجید کے مسلسل مطالعہ اور اس کے معانی پر تدبر و تفکر اور الہیٰ تجلیات سے حقائق و معارف قرآنی کے دروازے آپ پر کھل گئے اور جوں جوں روحانی منازل طے ہوتی گئیں۔ آپ مستجاب الدعا ہوتے چلے گئے اور امور غیبیہ پر آپ کو اس طرح اطلاع ملنی لگی گویا مطلع تاباں سے آپ کی آنکھوں کے سامنے تمام اندھیرے غائب ہونے شروع ہو گئے۔ دنیاوی امور سے دل سرد ہو گیا اور محبت الہیٰ نے اسے بقعتہ نور بنا دیا۔ بڑے بڑے نامی گرامی پادریوں سے آپ کے حقانیت اسلام پر مباحثات ہونے لگے اور ہر موقع پر خدا تعالیٰ نے آپ کو فتح یاب فرمایا۔ ہندوؤں میں اسلام کے اشد ترین دشمن آریہ سماجی تھے۔ جنہیں اپنے علم اور ویدوں کی تعلیم پر بڑا ناز تھا۔ ان کے عالموں اور پنڈتوں نے بھی آپ سے ٹکر لی اور منہ کی کھائی۔ آپ نے گراں قدر مضامین اسلام کی حقانیت اور دوسرے مذاہب کے ابطال پر بھی لکھے جو ہندوستان کے مختلف اخبارات میں شائع ہوتے رہے۔ پھر آپ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "براہین احمدیہ" بھی اسی زمانہ میں لکھی جو ۱۸۸۴ء تک زیور طبع سے آراستہ ہو کر متلاشیان حق کے لئے کھلی بصارت بن گئی اور آپ کے ہم عصر چوٹی کے علماء زعما نے اس

تصنیف منیف پر آپ کو جی بھر کر خراج تحسین پیش کیا۔ اور عجیب بات یہ ہوئی کہ اسی کتاب میں مجملاً مجدد الوقت ہونے کا دعویٰ بھی فرمایا اور اپنی اس عدیم المثال کتاب میں اپنے سینکڑوں الہامات بھی شائع فرمائے اور علماء نے ان الہامات کو اسلام کی صداقت کا زندہ ثبوت قرار دیا اور اس تصنیف کی اشاعت سے آپ کے علم بے بدل، زہد و اتقا اور ولی اللہ ہونے کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا تھا اور لوگ اپنی آنکھیں آپ کے آگے فرش راہ کرنے لگ گئے تھے۔

دوسرا دور آپ کے دعویٰ مجددیت سے شروع ہوا۔ آپ نے باقاعدہ طور پر ۱۸۸۵ء کی ابتدا میں چوبیس ہزار کی تعداد میں ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں آپ نے فرمایا "اور مصنف (براہین احمدیہ ناقل) کو اس بات کا علم دیا گیا ہے کہ وہ مجدد وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بشدت مناسبت و مشابہت ہے اور اس کو خواص انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض بہ برکت متابعت حضرت خیر البشر افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے کہ جو پہلے گذر چکے ہیں اور اس کے قدم پر چلنا موجب نجات و سعادت و برکت اور اس کے بر خلاف چلنا موجب بعد حرمان ہے۔"

ہمیں حضرت اقدس کے دعویٰ پر اس زمانہ کے علماء اسلام کی جانب سے کسی مخالفانہ رد عمل کی خبر نہیں ملتی بلکہ اب دکھائی دیتا ہے کہ وہ تمام مسلمان جو اسلام اور مسلمانوں کی اخلاقی اور روحانی زبوں حالی کو دیکھ کر آسمان کی طرف سر اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر شب و روز رب العزت کی حضور میں نہایت درد دل اور الحاح سے دعائیں کر رہے تھے کہ مولا کریم قوم مسلم مر رہی ہے اور کشتی اسلام سخت بھنور میں پھنسی پڑی ہے۔ تو قوم کو ہادی و رہنما عطا فرما اور کشتی اسلام کو ناخدا، وہ اس اعلان سے ضرور شاداں اور فرحاں ہوتے ہوں گے اور دشمنوں کے گھروں سے خوشی اور شادمانی کے چراغ گل ہو گئے ہوں گے کیونکہ خلعت مجددیت پہن کر حضرت اقدس نے مخالفین اسلام پر جس شدت سے تابڑ توڑ حملوں کا آغاز کیا اس سے ان کے قدم اکھڑنے شروع ہو گئے اور یہ وہ عظیم کام تھا کہ جو علوم ظاہری سے آراستہ و پیراستہ علما کے بس کی بات نہ تھا۔ اور اگر وہ اس خدمت کی صلاحیت رکھتے تو پھر نہ کسی مجدد کی ضرورت پڑتی اور نہ اسلام اور مسلمانوں پر دور انحطاط آتا اور نہ کوئی پادری مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کر کے حلقہ بگوش عیسائیت کرنے کی جرات کرتا۔ اس سلسلہ میں مجدد الوقت کے روحانی مقام اور منصب اور اس کے حیرت انگیز اور ایمان افروز کارناموں کے بارے میں اگر کوئی شخص پوری واقفیت حاصل کرنا چاہے تو اسے مولانا ابوالکلام آزاد کے تصنیف کردہ تذکرہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

دعویٰ مجددیت کے بعد حضرت مرزا صاحب نے آریہ سماج کے خلاف دو نہایت ہی قابل قدر تصنیفات شائع فرمائیں۔ آپ نے سرمہ چشم آریہ ۱۸۸۶ء میں اور شحنہ حق ۱۸۸۸ء میں شائع کیں۔ جن سے آریہ سماجی عقائد باطلہ کی قلعی کھل گئی اور ان سے اس بدترین دشمن اسلام گروہ کی کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ فطرت سلیم کے مالک اور حق کے پرستار مسلمان اور علماء آپ کے علمی کارناموں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ سے بیعت کی درخواست کرنے لگے۔ آپ نے بیعت لینے سے اس بنا پر انکار فرما دیا کہ انہیں تا حال اللہ تعالیٰ سے اذن نہیں ملا۔ مگر بالآخر یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بیعت لینے اور جماعت بنانے کا حکم دیا ہے اور اس کے متعلق الہام الہٰی بھی شائع کیا۔ **فاذا عزمت فتوکل علی اللہ واصنع الفلک باعیننا و وحینا** یعنی خدا پر بھروسہ کر اور ہماری آنکھوں کے روبرو اور ہمارے حکم سے کشتی تیار کر۔ کشتی کے بارے میں آپ کو یہ تفہیم ہوئی کہ اس سے مراد جماعت ہے اور بیعت کے بارے میں یہ الہام ہوا۔ **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ** کہ بے شک جو تری بیعت کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں۔ حضرت اقدس نے بیعت کا حکم ملنے پر پہلے دس شرائط مرتب فرمائے۔ جن کے سرسری مطالعہ سے ہی منکشف ہو جاتا ہے کہ اس بیعت سے مراد ایک نہایت ہی عظیم الشان روحانی سلسلہ قائم کرنا ہے جو تعلیمات اسلام کا ایک بہترین عملی نمونہ ہو اور

جس کے افراد کے چہرے انوار الٰہی سے منور دکھائی دیتے ہوں۔

یہاں ان دس شرائط بیعت کا درج کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ تا کہ ہمارے قارئین کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو سکیں۔

پہلی شرط بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم شرط یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بد نظری اور ہر ایک فسق و فجور اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہو گا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

سوم شرط یہ کہ بلا ناغہ پنجوقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول صلعم کے ادا کرتا رہے گا اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا اور دلی محبت سے اللہ تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

چہارم شرط یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم شرط یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہو گا اور ہر ایک ذلت اور دکھ کے قبول کرنے کے لیئے اس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیریگا بلکہ قدم آگے بڑھائے گا۔

ششم شرط یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا و ہوس سے باز آ جائیگا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم شرط یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم شرط یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھے گا۔

نہم شرط یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

دہم شرط۔ اس عاجز (یعنی حضرت مرزا غلام احمد۔ ناقل) سے عقد اخوت محض للہ باقرار اطاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو گا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

ان دس شرائط بیعت کے علاوہ آپ زبانی ہر ایک بیعت کنندہ سے یہ عہد بھی لیا کرتے تھے کہ "میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔"

ان شرائط بیعت کے درج کرنے کا میرا دوسرا مقصد جو اہم ترین مقصد ہے یہ ہے کہ ڈاکٹر غازی اور ان کے ہمنوا جملہ علماء مسلسل پراپاگنڈہ کر رہے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب مدعی نبوت و رسالت تھے۔ پہلے ناقص نبوت، ظلی نبوت، مجازی نبوت اور بروزی نبوت کا دعویٰ کرتے رہے اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ کامل اور حقیقی نبوت کے مدعی بن بیٹھے۔ اگر ان کے الزام میں کچھ سچائی ہے۔ تو پھر وہ یہ بھی ضرور جانتے ہیں کہ ہر نبی کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا ہر مومن کا فرض ہوتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک جس قدر انبیاء ہوتے ان سب نے اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کے ساتھ اپنی نبوت کا بھی اپنی اپنی امتوں سے اقرار لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مسلمان اسلام میں اجزائے ایمان حسب ذیل تسلیم کرتے ہیں۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ

ترجمہ:- "میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر اور اس پر کہ اچھی اور بری تقدیر کا خالق اللہ ہے اور موت کے بعد اٹھائے جانے پر۔"

خود قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ (سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۸۵)

ترجمہ :- رسول ایمان لاتا ہے اس پر جو اللہ کی طرف سے اس پر اتارا گیا ہے اور مومنین بھی وہ سب ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔ ہم اس کے رسولوں میں کسی قسم کا فرق نہیں کرتے اور وہ کہتے ہیں ہم سنتے ہیں اور اطاعت کرتے ہیں اے ہمارے رب! ہم تجھ سے تیری حفاظت کے طلبگار ہیں اور انجام کار تیرے پاس ہی پہنچنا ہے۔

اب ذرہ حضرت مرزا صاحب کی تجویز کردہ دس شرائط بیعت کو سامنے رکھیئے اور اپنے ایمان سے بتایئے کہ ان شرائط میں آپ کو کوئی شرط نظر آتی ہے جس میں اپنی نبوت و رسالت کا معمولی سا بھی ذکر موجود ہو۔ مجھے امید ہے کہ تمام سلیم الفطرت اور نیک طبع قارئین اس حقیقت کا صاف اقرار کریں گے کہ یہ دس شرائط واقعی کسی نبوت و رسالت کی معمولی سی رمق بھی اپنے اندر نہیں رکھتیں۔ بلکہ یہ تو صاف طور پر بتا رہی ہیں کہ بیعت لینے والا شخص کوئی نبی یا رسول نہیں بلکہ کوئی زمرہ اولیاء کا فرد ہے جو صوفیا کی اصطلاح میں دراصل بیعت شیخ لے رہا ہے اور ہر بیعت کنندہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس سے عقد اخوت محض للہ باقرار اطاعت در معروف باندھ کر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے اور یہ بات کسی عالم دین سے خصوصاً اور عام باعمل مسلمان سے مخفی نہیں ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ نبوت و رسالت کے منصب جلیلہ پر فائز فرماتا ہے وہ شخص سب سے پہلے خدا تعالیٰ کی وحدانیت اور اپنی نبوت پر ایمان لانے کا مطالبہ کرتا ہے اور ایمان لانے والے کے ساتھ عقد اخوت نہیں بلکہ عقد ابوت روحانی قائم کرتا ہے اور جو افراد اس پر ایمان لاتے ہیں ان کو کہتا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔ یعنی مومن باہم بھائی بھائی ہیں اور وہ خود ان کا اب روحانی ہوتا ہے۔ اس عقیدہ کی مزید تصدیق آیت قرآنی مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا سے ہوتی ہے (سورہ احزاب رکوع ۵) ترجمہ :- تم مردوں میں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی کے باپ نہیں ہیں۔ لیکن اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم کامل رکھنے والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جسمانی طور پر محمدؐ رسول اللہ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بتاتے گئے بلکہ اللہ کی طرف سے رسول بتاتے گئے ہیں اور ان پر نبوت کا سلسلہ ختم کیا گیا ہے۔ یعنی بحیثیت رسول وہ امت کے اب روحانی ہیں اور چونکہ آپ کے بعد قیامت تک کسی دوسرے نبی نے نہیں آنا اس لیئے آپ کی ابوت روحانی کا سلسلہ قیامت تک چلے گا۔ حضرت مرزا صاحب کے تمام مخالفین بشمول ڈاکٹر ایم اے غازی اور ان کے نام نہاد محققین کو اور اس گروہ کثیر کو جو قادیانی فریق کہلاتا ہے اور جس نے غلو کی راہ اختیار کر کے یہ عقیدہ اختیار کر رکھا ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ۱۹۰۱ء میں بذریعہ اپنی کتاب "ایک غلطی کا ازالہ" اپنے سابقہ دعویٰ میں تبدیلی اور اصلاح کر کے فی الحقیقت دعویٰ نبوت و رسالت کیا تھا میرا چیلنج ہے کہ وہ حضرت ممدوح کی کوئی تحریر یا کتاب پیش کریں جس میں اپنی نبوت پر ایمان لانا فرض قرار دیا ہو اور جو آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان نہ لاتے اسے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہو اور اپنی ابتدائی زمانہ ماموریت میں تحریر کردہ دس شرائط میں کوئی اضافہ یا ترمیم کر کے اپنی نبوت و رسالت کا اقرار لینا شروع کر دیا ہو۔ میں پورے وثوق اور محکم یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب نے عمر بھر اپنی دس شرائط بیعت میں ایک نقطہ کی بھی کمی بیشی نہیں کی البتہ اس کے برعکس یہ حقیقت نمایاں طور پر نظر آتی ہے کہ آپ نے اپنی کتاب "تریاق القلوب" جو ۱۹۰۲ء کے آخری زمانہ کی کتاب ہے کے صفحہ ۱۳۰ پر صاف تحریر فرمایا کہ "ابتدا سے میرا یہی مذہب ہے کہ میرے دعوئے کے انکار کی وجہ سے کوئی شخص کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔" اب یہ اعلان دعویٰ نبوت کے صریحاً منافی ہے کیونکہ نبی کا منکر بالاتفاق کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے۔

--- بشارت احمد بقا